جذباتِ یاور

مصنفہ

سخنور باکمال شاعر نازک خیال

جناب مولوی مرزا محمد بہادر صاحب - یاور خیرآبادی

جج دوسٹرکٹ مجسٹریٹ پربھنی

(دکن)

باہتمام سید [illegible] رضا

مطبع انوار الاسلام حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

اعلیٰ حضرت جلد اول

فہرست جذبات یاور ناظم ضلع پربھنی

Mirza Mohamad Bahadur Yawar Judge.

تقریظ علامہ عصر

عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی المتخلص بہ نظم
مدظلہ العالی

اس دیوان کا پہلا حصہ مضامین اخلاقی و قومی کا ایک گلدستہ ہے اسکے علاوہ دو فسانے مسدس میں اناک ڈن اور شہیدان وفا کی ٹریجڈی ٹنین کے دیوان سے ماخوذ ہے دونوں فسانے بہت خوبی سے نظم کیے ہیں۔

خیر الامور اوسطہا پر جو نظم لکھی ہے اسکا قافیہ مستزاد ٹکڑے میں رکھا ہے یہ ایک خاص ایجاد ہے اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اگر یہ مستزاد ٹکڑے نہ ہوتے تو وہی بات ہوتی جسطرح اس زمانہ کے خودرو و خود رائے شاعر جس وزن میں چاہتے ہیں مثنوی لکھتے ہیں انکو یہ خیال نہیں کہ فردوسی و نظامی و سنائی و خسرو و شیخ شیراز و عارف روم نے مختصر اوزان کو مثنوی کیلئے انتخاب کیا ہے اُن کے خلاف قدم نہ اٹھانا چاہیئے۔ قصیدے اور سلام بھی دیکھنے کے لائق ہیں دوسرا حصہ غزلوں کا ہے

مشتمل ہے یہ ایک حسن و عشق کا پرنچا نہ ہے ورنہ غزل کہنا کیا ضرور ہے عیسائی
سلطنت کا ہندوستان پر یہ اثر پڑا ہے کہ لوگ رہبانیت کو شعر میں
پسند کرنے لگے اور اس بات میں اپنے اساتذۂ ماسلف پر زبان تشنیع
دراز کرتے ہیں خود زاہد بنتے ہیں تغزل کو بُرا جانتے ہیں میں اُن لوگوں سے
کہونگا کہ غزلوں میں آپ ڈھونڈھینگے تو ایسے اشعار بھی نظر آئینگے جن کی نظیر
مسلسل نظموں میں مشکل سے ملیگی۔ فقط

نظم طباطبائی

تمہید

یہ بھی اس زمانہ کا انداز شاعرانہ ہے کہ اپنا کلام آویزۂ گوش سامعین کرنے سے پہلے
کچھ انکساری جملے تمہیداً زبان پر لائے جاتے ہیں اسلئے حقیقت حال لکھنے میں پس و پیش
ہو رہا ہے مگر بغیر لکھے بن نہیں پڑتا یہ امر واقعہ ہے کہ میں اپنے کلام کو اس قابل نہ سمجھتا تھا
اور نہ سمجھتا ہوں کہ اسے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔ یوں تو اکثر احباب نے اپنی محبت
اور عنایت سے اصرار فرمایا کہ اپنا کلام چھپوا دو مگر دو صاحبوں کی تعمیل ارشاد میں مجھے
آمادہ ہونا پڑا۔ ایک تو اپنے استاد محترم نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی المتخلص بہ نظم
اور دوسرے نواب عماد الملک بہادر مرحوم و مغفور کے بیحد اصرار نے مجھے مجبور کیا۔

جناب مرحوم نے نہ محض زبانی بار بار ارشاد فرمایا بلکہ بمقام سنگاریڈی مستقر ضلع میدک
جو عنایت نامجات اپنی بزرگانہ توجہات سے بھیجکر مجھکو عزت بخشتے تھے اونمیں بھی
تاکیدی حکم ہوتا تھا مجھے اسکا بہت افسوس ہے کہ تہیہ کر لینے کے بعد اور طباعت
ختم ہونے سے پہلے وہ میرے معزز بزرگ دنیائے فانی سے چل بسے جس کا مجھکو

ہمیشہ قلق رہیگا۔

میری شاعری کا رنگ ہمیشہ ایسا رہا کہ اپنی ضروریات اور فرائض سے جب میں تھک گیا یا طبعیت اُکتائی تو دل بہلانے کو کچھ کہہ لیا یا بعض احباب خاص نے جب کوئی مشاعرہ کیا اور مجھسے اصرار فرمایا تو کچھ کہکر مشاعرے میں جاکر سنا دیا اُن احباب میں مولوی سید محمد ضامن صاحب ضامن کنتوری ہیں جن کے خاص مشاعروں میں مجھے اکثر شرکت کا موقع ملا۔ میرے اُستاد محترم ممدوح الصدر نے ایک مشاعرہ اس قید کے ساتھ شروع فرمایا کہ اخلاقی نظمیں اُسمیں پڑھی جائیں۔ یہ سلسلہ زیادہ زمانہ تک قائم نہیں رہا۔ بر این ہم وہ مشاعرے جب تک ہوتے رہے اُن میں بھی میری شرکت ہوتی رہی اور اخلاقی نظموں کا ذوق اسی مشاعرے سے مجھے رہا۔ جو قصائد اپنے آقا اور ولی نعم ظل اللہ تاجدار دکن حضرت اقدس و اعلیٰ ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصفجاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخان بہادر سلطان العلوم یار وفادار سلطنت برطانیہ جی سی ایس۔ آئی۔ جی بی۔ ای فرمانروائے دولت آصفیہ ادام اللہ ملکہ کی پیشگاہ میں گزرانے کا اِس ناچیز کو شرف حاصل ہوا اُن سے ظاہر ہوگا کہ شتے نمونہ اُن رفاہ عام کا بالاختصار تذکرہ ہے جو زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد

جہاں پناہ نے اپنے عہد معدلت مہد میں فرمائی ہیں لیکن مجھے اسکا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ اس سرچشمۂ فیض کی روزافزوں آبیاری نے کشت دکن کو جیسا کچھ سرسبز اور شاداب کرنے کا پایہ ڈالا ہے اور اس مملکت ابد مدت کے مستحکم فرمانے میں جو توجہ مبذول فرمائی ہے اُسکا شمہ بھی معرض تحریر میں نہ آسکا حضرت اقدس کا دست کرم چار دانگ عالم میں کشادہ ہے اور مستحقین کی دستگیری ہر گوشۂ عالم میں فرمائی گئی ہے بہر نوع اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ جو کچھ زیب قلم ہوئے ہیں وہ تخیل شاعرانہ سے جدا ہیں اور واقعیت کا اظہار ہے۔ شاعری کا ذوق میری طبیعت میں بچپن سے تھا میرا نشو نما لکھنؤ میں ہوا جہاں کی خاک میں ذوق شاعری ہے ابتدائی جو کچھ میرا کلام تھا اور تلف ہونیکے بعد رہ گیا تھا وہ غرہ ماہ صیام ۱۳۲۶ ہجری کو پسند خاطر رود موسیٰ ہو گیا اور دست برد طغیانی سے نہ بچا پہلے کلام کے کچھ چیدہ چیدہ اشعار کبھی کبھی یاد آجاتے ہیں۔ بعض نظمیں اُس ذخیرے میں ایسی ضرور تھیں کہ جنکو داخل جذبات یاد کرتا جیسے ایک نظم جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس واقع علیگڈھ میں انتخاب ہو کر پڑھی گئی یا لارڈ مینٹن آنجہانی کی وفات پر اپنے محترم اُستاد مسٹر ہاڈسن پرنسپل نظام کالج کی فرمائش پر میں نے کچھ قطعات لکھے تھے اور وہ سالہا سال

اُن کے آغوش میں آویزاں رہے۔ یا ڈیوک آف کاناٹ کی تشریف آوری جبکہ
مدرسۂ عالیہ میں ہوئی میری نوعمری تھی ایک چھوٹے سے قصیدے کی شان میں
نظم لکھی تھی۔ بچپن میں زمانہ شباب تک کچھ فن سپہگری اپنے خاندان میں سیکھا
لکھنے پڑھنے کے بعد جو وقت میرا گزرتا تھا وہ اسی کے حصول میں گزرتا تھا۔ چونکہ
خاندان کا تذکرہ آگیا ہے اسلیے مختصراً اس مقام پر یہ لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ میرے جد اعلیٰ مرزا خدا داد بیگ صاحب قزلباش نادر شاہ کیساتھ ملک ہند میں
آئے اور شاہ وقت نے ایک بڑی جاگیر سیالکوٹ میں اُنکو مرحمت فرمائی۔
سکھوں سے ایک عرصہ تک جنگ و جدل کے بعد صرف ایک فرد خاندان بحالت
شیر خواری باقی رہگئے اور اُنکی والدہ ماجدہ اُنکو فیض آباد میں لیکر آئیں۔
اُنہیں سے سلسلہ میرے خاندان کا ہے بالآخر خیرآباد ضلع سیتاپور میں توطن میرے
بزرگوں نے اختیار کیا۔ اور عہدہ ہائے جلیلہ سے سلطنت اودھ میں ممتاز رہے
میرے والد ماجد علی مرزا صاحب مرحوم نے فن سپہگری میں یدطولیٰ حاصل کیا
اور پٹہ و بانک میں استاد کامل مانے گئے اُن کے حد کمال کا پتہ اس امر سے ملتا ہے
کہ میرے بڑے بھائی مرزا نواب بہادر صاحب خاور مرحوم جو پورے چودہ برس کے
بھی نہیں ہوئے تھے اور میرے منجھلے بھائی بہادر مرزا صاحب جو شائد نو سال کے تھے

کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا۔ لیکن فن سپہگری میں اس حد کو پہونچگئے تھے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں اپنے فن کے استاد مانے گئے۔

رفتہ رفتہ یہہ دونوں صاحب شہرۂ آفاق ہوگئے اور ملک دکن تک پہونچے اور یہاں منصب ویداری کا ان دونوں صاحبوں کو عطا ہوا۔ اور بڑے بڑے امرائے حیدرآباد اُن کے اس فن میں شاگرد ہوئے۔

میرا ننھیالی سلسلہ بہت طولانی ہے مختصر یہہ ہے کہ علامہ نواب تفضل حسین خان بہادر تک پہونچتا ہے جن کا نام باوجود صدیاں گذرجانیکے اسوقت تک یادگار ہے۔

میری ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی ہے برادر صاحبان محترم مجھے حیدرآباد لے آئے تھوڑے زمانے تک آبائی فن سپہگری کے ساتھ حصول فارسی و عربی میں مصروف رہا۔ اسکے بعد میرے محسن عالیجاب نواب بہرام الدولہ بہادر دام اقبالہٗ کے زیر پرورش آگیا۔ اور نواب صاحب ممدوح نے میری تعلیم و تربیت اسطرح اپنے دست مبارک میں لی کہ میں اسکا تمام عمر رہین منت رہونگا۔ نواب صاحب معز نے مجھے مدرسۂ عالیہ میں بزمانہ وزارت نواب لایق علیخان بہادر عماد السلطنت بعد حصول اجازت داخل فرمایا اسوقت یہہ مدرسہ محض امرا کیواسطے مختص تھا۔ سوائے امرا و رئیسا اور شرفا بلدہ کے کوئی شخص اس مدرسہ میں داخل نہیں ہوسکتا تھا

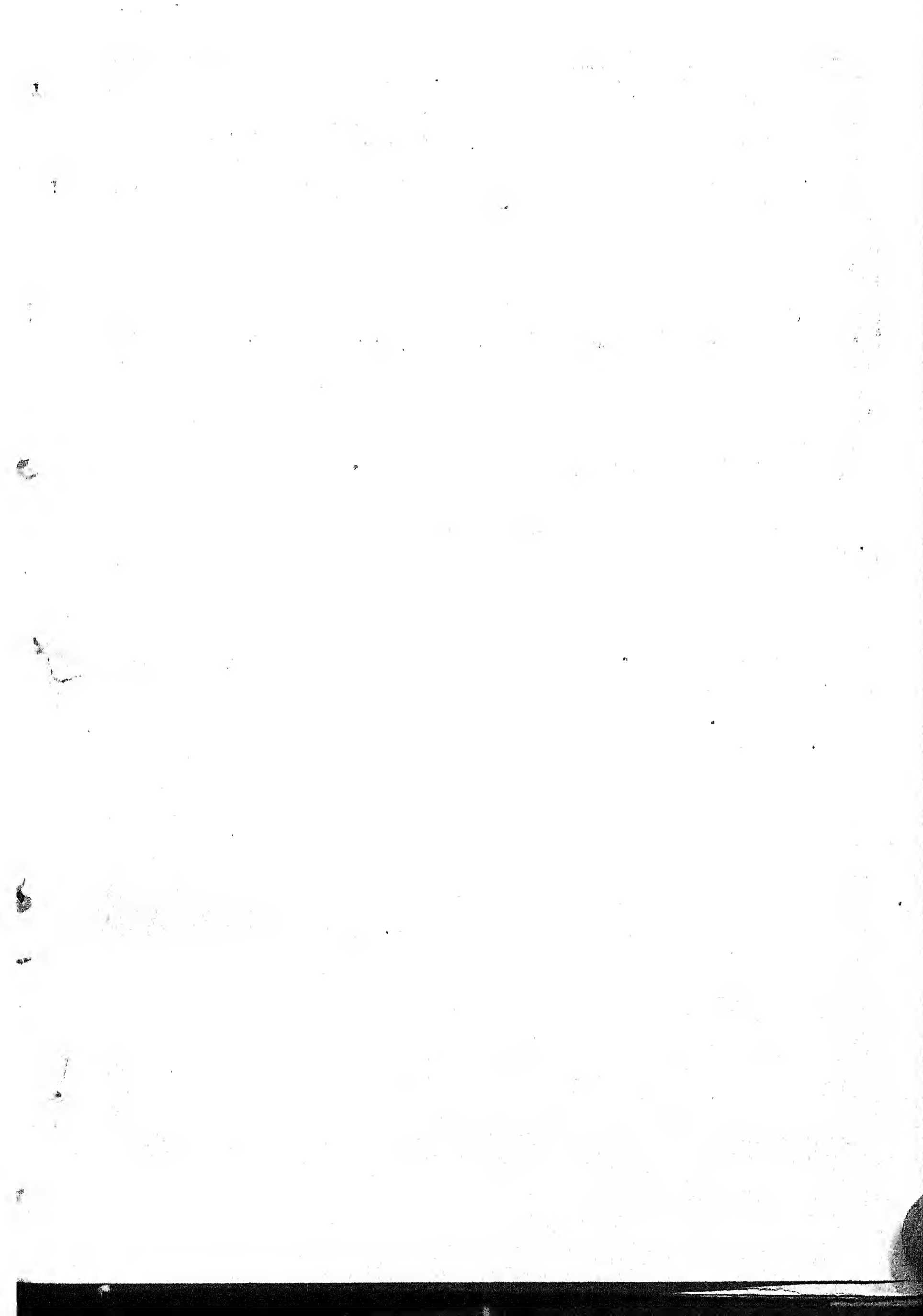
یہاں میری تعلیم انگریزی کی ہوئی میں محض مبتدی تھا۔ میٹرک تک میں نے تعلیم پائی
میں کہہ سکتا ہوں کہ نواب بہرام الدولہ بہادر نے مجھ پر ایسی مربیانہ نظر رکھی جس طرح
ایک چاہنے والا باپ اپنی چہیتی اولاد کے ساتھ رکھتا ہے۔

اسکے بعد کئی سال اپنی علالت کے سبب سے پڑھنا لکھنا ترک کر دینے پر
مجبور ہوا۔ ازاں بعد علیگڈھ کالج میں تین سال رہا۔ دو سال تک قانونی درجہ
میں رہ کر وکالت کے امتحان کی تیاری کرتا رہا۔ لاکلاس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے
پہلے میں حیدرآباد اپنے بزرگوں سے ملنے کیلئے آیا اور یہاں میں نے وکالت میں
کامیابی حاصل کی نتیجہ کامیابی علیگڈھ میں معلوم ہوا۔ الہ آباد میں امتحان دینا
باقی رہ گیا تھا۔ اور قصد تھا کہ امتحان میں شریک ہوں مگر حیدرآباد میں آکر
میں نے پریکٹس شروع کر دی بائیس سال میں نے وکالت کی اور اسی مدت میں
کئی سال تک مشیر قانونی کورٹ آف وارڈز رہا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ
نیک نامی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کی
مردم شناسی تھی کہ میرا انتخاب بضمن سشن ججی پیشگاہ خسروی سے ہوا
اور فرامین خسروی شرف صدور لائے سشن ججی خالی نہ ہونے سے میں اولاً
ضلع میدک پر ناظم عدالت ضلع مقرر کیا گیا۔ اور ایک ضلع کا کار دیوانی و فوجداری

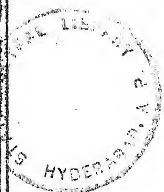
میرے سپرد ہوا کئی ضلعوں پر میرا تبادلہ ہونیکے بعد اب میں ضلع پربھنی کا ناظم عدالت ہوں
یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ ذوق شعر کی تکمیل کے سلسلے میں ابتدا میں نے
عالیجناب میر محمد سلطان صاحب عاقل دہلوی سے استفادہ کیا اور انکے بعد
نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی المتخلص نظم سے شرف تلمذ حاصل کیا
اور اتبک صاحب ممدوح کے فیوض سے مستفیض ہو رہا ہوں ۔

جذبات یاور کے ناظرین و احباب کی لطف فرمائی سے توقع ہے کہ
میری ہیچمدانی پر نظر فرماکر جہاں کہیں سہو و خطا پائیں عفو و درگزر فرمائیں فقط

مرزا محمد بہادر یاور
ناظم عدالت ضلع پربھنی
(دکن)



بسم اللہ الرحمن الرحیم





نعت احمد وصفِ حیدر اور حمدِ کردگار
ہے یہی مطلوب اپنا اور یہی اپنا شعار

گر کہے کوئی کہ دنیا سے نرالا ہے یہ ڈھنگ
نعت پہلے حمد پیچھے بیچ میں مدح کبار

معترض کو ہے جواب اس وقت دونگا لاکلام
ہے یہی تدریج کر لے غور تو اے ہوشیار

منزلِ مقصود تک پہونچے انھیں کی رہبری سے
دوش پر اپنے ہیں احسان انکے بے حد بے شمار

رہنمائی سے نبی کی ہم کو منزل مل گئی
ہم بھٹکتے پھرتے تھے بے خانمان و بے یار

ٹھوکریں کھاتے تھے کوہستان کے غاروں میں کبھی
گاہ ریگستانوں میں کرتے تھے ستاروں کا شمار

پوجتے تھے مشتری و زہرہ کو صبح و مسا
چاند سورج کی پرستش کرتے تھے لیل و نہار

خوف طغیانِ عناصر کا تھا دل میں اسقدر

وہم میں ڈوبے ہوئے تھے رہتا ہر چیز تھی

بات اچھی بھی بری لگتی تھی اپنے ہوں کہ غیر

دیر میں ناقوس اور گھنٹے بجاتے تھے سدا

مورتیں ہر طرح کی گڑھتے تھے اپنے ہاتھ سے

کُل مخلوقات سے انکی نرالی شکل تھی

اپنے ہاتھوں سے سیہ کرتے تھے انکو یا سفید

رعد کو اور برق کو مانے ہوئے تھے دیوتا

مانتے تھے بس انہیں کو اپنا ہم سوزی احسان

ہم نفسے کو بجاتے تھی کہ جیسے خوش ہیں

بھنگ گھٹتی تھی کبت ہوتے تھے بھجن

نام جپتے تھے بتوں کا سبحہ گردانی کیا

کیسے سجدہ کا نشاں تھے یہ قشقہ تھا کبھی

داڑھی مونچھیں سب منڈا دیں ساہوت کی سی شکل

مرد ہو کر فخر کرتے تھے زنانے بھیس پر

ہم سمجھتے تھے خدا ہیں خاک و باد و آب و نار

چاند رکن بدلیوں پہ کام کا دار و مدار

ہاں شگونوں کے سبھی کا تھا نہایت اعتبار

دیوتا دو ڑھائی تا جسطرح تھے سوئے تار

صورتیں ہر طرح کی کرتے تھے ان پہ آشکار

اژدہے پر ہے کوئی اور کوئی افعی پر سوار

پوجتے تھے وائے نادانی انہیں بیل اور پہاڑ

ابر کو اور باد کو سمجھے ہوئے تھے کردگار

جانتے تھے بس انہیں کو اپنا ہم پروردگار

راگ گاتے تھے انہیں کا ہاتھ میں لیکر ستار

ڈفلیوں پر ناچتے تھے اور گاتے تھے ملار

ہاتھ میں مالا لیا کرتے تھے خداؤں کا شمار

کان میں حلقہ اطاعت کا گلے زنار دار

پتلیوں کا اور بتوں کا تھا گلے میں اپنا ہار

ایک چٹیا سر پہ جس کا بھید تھا نا آشکار

فخر تھا دختر کشی پر اور ستی ہونے پہ ناز
ترک کر دی تھیں خدا کی دی ہوئی سب نعمتیں
کیوں تاہل کرکے اپنے عیش میں ڈالیں خلل
خوف مالک کا کبھی عصیاں سے کب تھا ہم کو باک
پیشوا کے سامنے عصیاں کا بس تھا اعتراف
یہ عبادت تھی ہماری اور یہ زہد و اتقا
خاک یثرب سے ہوا اک نور پیدا ایک بیک
نور وہ پھیلا چکا چوندھ اس سے آنکھوں میں آ گئی
سوچتے تھے کچھ تسلی دل کی ہوتی ہی نہ تھی
کل محل کسریٰ میں تزلزل آ گیا اس نور سے
آ گیا لرزہ میں اس سے گنبد گردون دوں
بجھ گئے آتشکدے ٹھنڈے ہوئے آتش پرست
جیتے جی مر گئے گر گئے سب بت پرست
سارے عالم کی زمیں اس سے منور ہو گئی
نور سے پہلے منور ہو گیا ملک عرب

جان دینے اور لینے میں نہ خوف کردگار
ہوتا تھا قطع تناسل پر نہایت افتخار
جب کلیسا کی کنواری ہو گئے کاٹنے ہار
کیوں کریں توبہ گناہوں سے عبث ہوں شرمسار
اک فقط اقرار سے ہوتے تھے بالکل رستگار
ان عقاید پر رہا کرتا تھا ہم کو افتخار
روشنی پھیلی منور ہو گئے جس سے دیار
کاہنوں کے دل میں پیدا ہو گیا اک اضطرار
پوتھیاں رکھ رکھ کے آگے لاکھ کرتے تھے بچار
طاق کسریٰ سے گرے بت اور ہوا اک انتشار
رعب سے اس نور کے تھرا گئے سب کوہسار
خوف سے آنے لگا ہر اک کو لرزہ کا بخار
ہو گیا سینہ کے مرقد میں دلوں کا یوں فشار
آسماں پر طالع ہو کر جب یہ چمکا ایک بار
اور شعاعوں نے کیا پھر بڑھ کے عالم کا حصار

ایشیا یورپ سے افریقہ میں پہونچی یہ ضیا — صاف آئینہ کی صورت ہوگیا سب زنگبار

نور ایماں نے کیا بڑھ بڑھ کے اُس کو منجلی — چھا گیا کفر ضلالت کا دلوں میں جب غبار

شرک کی راہوں کا تو نے ہی کیا ہے سد باب — اے تجلی گاہ وحدت دل سے ہم تجھ پر نثار

کفر کے ابواب ہم پہ بند تو نے ہی کیے — ہوگئے تیری ہدایت سے جہانیں کامگار

خلق مخلوقات پیدائش سے تیری ہی ہوئی — قول خالق ہے محل شک نہیں اے زینہار

تو ہی ہادی جہاں اور ہے تو ہی جانِ جہاں — تو سراج راہ حق ہے اے شہ عالی وقار

تو شفیعِ مذنبیں تو شافعِ یوم الجزا — تیرا دامن ہاتھ میں اور تجھ سے ہم امیدوار

تیری بعثت باعث رحمت ہے شک اسمیں نہیں — دعوتِ اسلام تو نے دی بہ عز و افتخار

تیغ میں تو کر و تیرے تھے صنادید قریش — حکم خالق کا کیا اظہار جب با صد وقار

جز علیؑ کسنے بڑھایا ہاتھ بیعت کے لیے — ہے تواریخ جہاں میں آج کا دن یادگار

دقتیں حائل ہوئیں ترویج دیں میں کسقدر — مشکلیں عاید ہوئیں ہر طرح کی اور بیشمار

تیری ایذاؤں کو سب کفار سمجھے تھے ثواب — راستے میں تیرے وہ موذی بچھا دیتے تھے خار

تیری تکلیفوں پہ وہ بدبخت کرتے تمسخر — چلتے چلتے راہ میں کرتے تھے تجکو سنگسار

مشورے ہوتے تھے باہم تا کریں تجکو ہلاک — حکمِ خالق سے چھپا تو جا کے اک تاریک غار

پردہ داری کے لیے کافی تھی تار عنکبوت — رحمتِ حق در حقیقت ہوگئی تھی پردہ دار

سب مصائب جھیل کر لاتا تھا راہِ راست پر ۔ اپنے اخلاقِ کریمہ سے رہا تو بُردبار

دعوتِ اسلام استقلال سے دیتا تھا تو ۔ فرق آتا تھا نہ اپنے فرض میں کچھ زینہار

تو جہاں کرتا تھا اُن سب پر جلالِ کبریا ۔ تو بیاں کرتا تھا اُن سب سے وقارِ کردگار

رفتہ رفتہ لاکے چھوڑا اُنکو سیدھی راہ پر ۔ جستہ جستہ کر دیا ہر امر اُن پر آشکار

دیکھکر اعجاز تیرے سحر کہتے تھے لعین ۔ بولہب کو فکر تھی کیونکر کروں میں انکو خوار

کوئی پہلو مکر کا اُس نے اُٹھا رکھا نہ تھا ۔ ہر دقیقہ فکر کا اُس نے کیا تھا اختیار

اس کی پروا کچھ نہ کرتے سرورِ ہر دو جہاں ۔ رحمتِ حق ساتھ تھی اور اُسی کے نور تھا

ابتدا سے تھے علیؑ ہر کام میں اُنکے شریک ۔ کیوں نہ ہوتے نورِ واحد تھے نہیں شک زینہار

تھے نبیؐ کے تابعِ فرماں علیِ مرتضیٰ ۔ اور اطاعت سے نبیؐ کی اُنکو عزّ و افتخار

نفسِ پیغمبر نبیؐ کے تھے علیؑ زوجِ بتول ۔ عرش سے بھیجی تھی جب کبریا نے ذوالفقار

کون وہ غزوہ تھا جسمیں ناصرِ حق تھے نہ آپ ۔ جسکو سر کرکے نہ پلٹے کون تھی وہ کارزار

دو جہاں کی تھی عبادت ایک ضربِ شہ سے ہیچ ۔ صاف یہ فرما گئے ہیں خود نبیؐ با وقار

جنگِ خندق میں نہیں معروف اسمیں شک نہیں ۔ بابِ خیبر اور اُحد کی جنگ بھی ہے یادگار

بدر کی وہ جنگ جسمیں تیغِ شاہِ دیں ۔ تھی ہلال آسا مگر ہر لحظہ ہر جا آشکار

جنگ میں باب العلم کے یکہ و تنہا تھے آپ ۔ کر لیا جا کر جنوں کو زیرِ فرماں ایک بار

پیاس سے لشکر خدا کا ہو گیا تھا جاں بلب
جا نہ سکتا تھا کنوئیں تک کوئی کرتے تھے فرار

حکم دیتے تھے نبیؐ جا کر کنوئیں سے لاؤ آب
خوف سے لیکن جو نکلے تھے مسلموں کا انبار

ڈر کے مارے ہل نہ سکتا تھا جگہ سے اپنی اِک
پا بگل پیدل تھے اور سکتے میں گھوڑوں پہ سوار

پشت لشکر پہ امیر المومنین اُس وقت تھے
یاد فرمایا نبیؐ نے آ گئے پیشِ شہریار

سنتے ہی فرمانِ حضرت تھے کنوئیں پہ شاہِ دیں
ڈول ڈالا چاہ میں اور آپ کا تھا انتظار

کاٹ دی رسی جنوں نے چاہ میں پہونچا جو ڈول
غیظ میں کودا خدا کا شیر لیکر ذوالفقار

دیر تک ہوتی رہی پیکار اُدھر اک فوج تھی
اس طرف ہو شیر تھا اور لشکرِ جن ہشیار

منتظر سب چاہ پر تھے حال کچھ کھلتا نہ تھا
نعرۂ اللہ اکبر ہی سے تھے بار بار

آپ منصور و مظفر ہو کے نکلے چاہ سے
ہاتھ میں تلوار تھی لب پر تھا شکرِ کردگار

دائرے میں آ گئے اسلام کے جن مرحبا
جو کہ سرکش تھے وہ شاہ کی اجل کے تھے شکار

اس لڑائی میں نمازِ عصر ہوتی تھی قضا
شاہِ خاور خوف سے مغرب کو کرتا تھا فرار

رنج حیدرؑ کو ہوا خوفِ خدا طاری ہوا
پڑ گیا رعشہ بدن میں حزن سی تھی اشکبار

حکمِ خالق سے نکل آیا جہاں میں آفتاب
کھینچ لیں آخر طنابیں ہو گیا دن آشکار

بس بجا لائے نماز اور شکر ایزد کا کیا
ہو گئے مسرور و شاداں انس و جاں کے شہریار

اے شجاعِ دہر ہم تیری شجاعت کے فدا
اے امام المتقین تیری عبادت کے نثار

اے ہمارے پیشوا مشکل کشا اے رہنما
اے نبی کے قوت بازو و شیر کردگار

کر دیا اصنام سے اللہ کا گھر پاک و صاف
بھر دیا ہر رنگ میں اسلام کا نقش و نگار

پرچم اسلام لہرانے لگا با کر و فر
دین کا جھنڈا گڑا اک ایک جا پر استوار

آپ کے سب جانشیں بھی حامیِ دینِ مبیں
آپ کو فرزند بھی بخشے خدا نے باوقار

آپ ہی سب کی ہدایت سے موحد ہم بنے
راستے پر آگئے بھٹکے ہوئے ہم خاکسار

اے خدا ان ہادیانِ دیں سے پہچانا تجھے
اور جانا تجھکو اپنا خالق و پروردگار

اے مرے مالک مرے معبود مرے کردگار
شانِ وحدت پر تری سو جان سے یاور نثار

ایک کن کہنے سے پیدا تو نے عالم کو کیا
ایک مشت خاک کو تو نے دیا کیا اختیار

یہ فلک اور یہ ستارے یہ منازل یہ بروج
یہ زمیں یہ لالہ و گل یہ جبال اور یہ بحار

یہ شجر اور یہ حجر اقسام کی یہ بوٹیاں
جنگلوں کو خلعت رونق جسے ملبوس سبزہ زار

بام گردوں پر ستارے اور ذرے خاک پر
پرتو قدرت سے تیرے ہیں درخشاں بیشمار

یہ فرشتے اور یہ انسان اور یہ وحش و طیر
ہیں ترے مخلوق اور رحمت کے تجھ سے خواستگار

سارے عالم کو غرض دیکھا جو چشم غور سے
ہیں کرشمے سب تری قدرت کے اے پروردگار

تو رحیم اور تیری رحمت کا ٹھکانا ہی نہیں
تو کریم اور تری بخشش میں نہیں تنگی زنہار

آجکل امت ترے محبوب کی ہے اور نفاق
بغض و کینے کا مرض ہے اور خودی کا ہے خمار

ہم نقائص پر کبھی اپنے نہیں کرتے نظر
عیب جوئی دوسروں کی ہے نہیں اپنی خبر
خاک ہم قعرِ ذلت سے ابھرنے پائینگے
بھائیوں کی اپنے ہم کرتے نہیں مطلق مدد
اتفاقی بھی نہیں ہم میں رہا ہے اتفاق
دوسری قوموں نے سیکھیں ہم سے اچھی خصلتیں
ہائے سب افعال ہم نے دیدیئے اغیار کو
ہاتھ آئی سستی زمانہ بھر کی ہم میں آگئی
وقت کی تقسیم مضحک قدر کچھ اسکی نہیں
کام کرنے میں تو خامی ہوگئی مشہورِ خلق۔
رحم فرما رحم فرما ہم پہ رب العالمین
دل لگا کر متفق ہو کر کریں ہم کام کو
ہو رہے ہیں غیر قوموں کی نگاہ میں ذلیل
سیکھیں علم ریاضی سینس اور جر ثقیل
ہے تقابل دوسری اقوام سے اے کبریا

نکتہ چینی عیب بینی ہوگیا اپنا شعار
راہ گم کردہ ہیں خود اور پھر نہایت ہوشیار
بھائیوں سے اپنے رکھتے ہیں سدا دل میں غبار
دوسری اقوام کی آنکھوں میں ہیں ہر چند خوار
بھول بیٹھے آہ ہم اسلام کا بالکل شعار
اُن کے افعالِ قبیحہ ہم نے سیکھے بیشمار
اور برے اشغال اُنکے نے لیے انجام کار
جب کبھی چلنے کے نہیں پیسے لگا دو لا چار
جاگ کر شب بھر پڑے سوتے ہیں تا نصف النہار
ہیں مگر باتیں بنانے میں نہایت پختہ کار
دے ہمیں توفیق افعالِ حسن کی کردگار
ہوں نفاق و شر سے یارب مجتنب اور شرمسار
تو بچالے ہم کو اس ذلت سے اے پروردگار
کر کے ایجادیں زمانہ میں ہیں ہم یادگار
شرم رکھ لے اُمتِ محبوب کی اے کردگار

راست بازی سے رہیں عزت سے ہو جائے بسیج
باعمل حکم بنا اور کریں پرہیزگار

صحبتیں دل لگی کے واسطے ایسی رہیں
جسمیں تیرا ذکر ہو تا نیک ہو انجام کار

اب کرم فرما مجھے آلام سے تو دے نجات
یاوری کر جلد اب آ یاوری ذی اختیار

قصیدہ

بہ تہنیت سالگرہ مبارک و مدح شاہ جمجاہ ظل اللہ محی الملت و الدین
مظفر الممالک حضور پرنور اعلیحضرت اقدس قدر قدرت سکندر شوکت حضرت
بندگانعالی متعالی مد ظلہ العالی ہز اکزالٹڈ ہائینس میر عثمان علیخاں بہادر
نظام الملک آصفجاہ فرمانروائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

دکن میں ہیں وہ نمایاں سرور کے آثار
کہ جن کے وصف میں خامہ بھی آج ہے سرشار

صریر کلک سے پیدا ہے نغمۂ دلکش
زبان قلم کی ہے یا عندلیب کی منقار

غلط کہا مرا خامہ کہاں کہاں بلبل
نہ ایسا لحن نہ ہے اس قدر گلا تیار

مرے قلم کی کشش میں ہے لحن داؤدی
مرے قلم کے گلے میں ہے صوت سیتار

مرے قلم کا یہ روئے سخن ہے بلبل سے
کہاں یہ بات نواسنجیاں کرے وہ ہزار

وہ ایسی وہ کشش موزوں صدائے پائنگی
وہ جائے لاکھ گلستاں میں گو سبق پڑھنے
وہ ایک عاشق گل جس پہ جان دیتی ہے
ہے اس کو چاہ تو بس آب و رنگ بستاں کی
کھلائے پھول ہر اک رنگ کے اور ایسے پھول
ہمیشہ تازہ و تر سب گل مضامیں ہیں
انہیں گلوں کی مہک تا بہ حشر باقی ہے
مشام اہل سخن ان گلوں سے بستے ہیں
اڑی ہے پھول کی یا شعر کا ہے مصرعۂ تر
روش ہے باغ کی یا حاشیہ قصیدہ کا
شگفتہ لفظ ہیں یا ہیں کھلی ہوئی کلیاں
نہاں ہے شعر میں مضموں کہ زیر ہے غنچہ میں
یہ کس کے وصف میں ہے نظم کیوں نہ ہو بیش
وہ کون شاہ دکن مدظلہ العالی
جہاں پناہ فلک بارگاہ آصف جاہ

ستارے بن گئے ذرّا گویا کہ آج شرار
بنا اک طفل دبستاں یہ علم سے نا چار
یہ چل کے عشق قمر بلبل کو کرے گلزار
یہ جو رشک سے پالا ہے گوہر شہوار
کہ چمن کو فصل خزاں سے نہیں ہے کچھ سروکار
ہمیشہ رہتی ہے لہلہوٹ اپنی فصل بہار
انہیں گلوں سے ہے خلد بریں بھی شرمسار
ہر ایک فکر پہنچتی ہے ان گلوں کے پاس
بھری بھری ہیں یہ بیلیں کہ نظم کے اشعار
ہیں صاف صاف یہ بین السطور یا انہار
یہ پھول باغ کے ہیں یا حروف دامن دار
عیاں ہیں بندش اشعار یا گلوں میں بہار
کہ جس کا ملک سخن بھی ہے آج باج گزار
سخن شناس و سخن فہم و قدرداں سرکار
حضور آصف سابع شہ دکن جنید آ

یہ ہے عزیز جہاں ملک کا ہے روح رواں | وہ بادشاہ رعایا ہے جس پہ دل سے نثار
اسی کے فیض سے کشت دکن ہوئی سرسبز | اسی کے فیض سے گلزار ہو گئے گلزار
اسی کے بذل و کرم کا ہے چار سو شہرہ | اسی کے جود سے شاداب ہیں جبال و بحار
اسی کے عدل کا پرچم دکن میں اڑتا ہے | اسی کی ہے نصفت باعث سکون و قرار
اسی کا گوشۂ دامن ہے معدلت گستر | اسی کے سایے میں بے خوف ہیں صغار و کبار
اسی کے رحم و کرم کا ہے چار سو ڈنکا | اسی کے لطف و عنایت کی دھوم لیل و نہار
اسی کی عقل سے ہے ملک خلد نشاں | اسی کی فہم سے ہے قرطبۂ دکن کا دیار
حضور آصف سابع کا ہے بجا ارشاد | کہ آج خلق میں اکسیر ہے دکن کا غبار
جسے سمجھتے تھے سب عقدہ ہائے لاینحل | اسی کے ناخن تدبیر سے کھلے یکبار
اسی کی عقل سے پیرس بنا ہے سارا شہر | اسی کے فہم و فراست کے سب ہیں نقش و نگار
چہار سمت جو سڑکیں کبھی تھیں کج و اکیج | اسی کے عہد میں صاف اب ہیں آئینہ وار
وہ ناف شہر میں دیکھو رفیع و عالیشان | یہ ساق عرش ہیں یا ہیں ستون چار مینار
بنی ہیں عہد میں اس کے عمارتیں ایسی | کہ جن کو دیکھ کے حیراں ہیں خلق کے معمار
وہ ہائیکورٹ جو پر عظمت و جلالت ہے | اسی کے عہد میں پایہ پڑا ہوا تیار
مثال کاہکشاں گرد رود موسی ہے | وہ بیچ میں ید بیضا کی طرح ہے ضو بار

اسی میں فصل خصومات وحق رسی ہو گی ؛
یہ دار عدل ہے انصاف کو ہے استقرار

قریب اس کے بنا چاہتا ہے دار العلم
رواں رہیں گے یہاں فیض شاہ سے انہار

علوم مشرق و مغرب کا ہوگا یہ مرکز
بنے گا دائرۂ مہر علم یہاں پرکار

پڑھینگے اور دعا دینگے شہ کو طالب علم
بندھیگی سر پہ یہاں علم و فضل کی دستار

ادب سے منطق و ہیئت سے بہرہ ور ہونگے
حدیث و فقہ کو پڑھکر بنینگے وہ دیندار

پڑھینگے سائنس ریاضی و فلسفہ یکسر
و دو السنہ سے زبانوں کے ہونگے واقف کار

غرض حضور کے جود و کرم کا فیض یہ ہے
تو کسطرح نہ رعایا ہو جان و دل سے نثار

شجاعت ایسی کہ جس کا معترف زمانہ ہے
سخاوت ایسی کہ دربار شہ کا ہے دربار

در حضور سے ملتے ہیں اسکو لعل و گہر
جو مانگتا ہے کوئی آ کے درہم و دینار

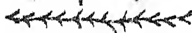
عطائے شاہ سے ہوتے ہیں لوگ مالا مال
عطائے شہ سے ہیں جاگیردار منصبدار

کرم سے شاہ کے ملتے ہیں عہدۂ موزوں
ملے ہیں خلعت پُر زر ملی ہے موٹر کار

اگرچہ ذرہ ہوں پر مہر شہ سے چمکونگا
اگرچہ خاک ہوں لیکن فلک کا ہونگا غبار

ہیں گوشہ گیر ہوں ناقدریوں سے عالم کی
جو قدر داں ہو تو میں ہوں سراج راہ گذار

عطائے شہ سے سوائی ہوئی طبیعت میں
لکھا یہ مطلع ثانی مطلع انوار ؛



اسی میں فصل خصومات و حق رسی ہوگی ؛ یہ دار عدل ہے انصاف کو ہے استقرار

قریب اس کے بنا چاہتا ہے دار العلم رواں رہیں گے یہاں فیض شاہ سے انہار

علوم مشرق و مغرب کا ہوگا یہ مرکز بنے گا دائرۂ مہر علم یہاں پرکار

پڑھینگے اور دعا دینگے شہ کو طالب علم بندھیگی سر پہ یہاں علم و فضل کی دستار

ادب سے منطق و ہیئت سے بہرہ ور ہونگے حدیث و فقہ کو پڑھکر بنینگے وہ دیندار

پڑھینگے سائنس ریاضی و فلسفہ یکسر ہر ایک اس سے زمانہ کے ہونگے واقف کار

غرض حضور کے جود و کرم کا فیض یہ ہے تو کسطرح نہ رعایا ہو جان و دل سے نثار

شجاعت ایسی کہ جس کا معترف زمانہ ہے سخاوت ایسی کہ دربار شہ کا ہے دربار

جو در حضور سے ملتے ہیں اسکو لعل و گہر جو مانگتا ہے کوئی آکے درہم و دینار

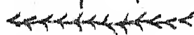
عطائے شاہ سے ہوتے ہیں لوگ مالا مال عطائے شہ سے ہیں جاگیردار منصبدار

کرم سے شاہ کے ملتے ہیں عہدۂ موزوں ملے ہیں خلعت پر زر ملی ہے موٹر کار

اگرچہ ذرہ ہوں پر مہر سے چمکونگا اگرچہ خاک ہوں لیکن فلک کا ہونگا غبار

میں گوشہ گیر ہوں ناقدری سے عالم کی جو قدرداں ہو تو میں ہوں سراج راہ گذار

عطائے شہ سے روانی ہوئی طبیعت میں لکھا یہہ مطلع ثانی مطلع انوار ؛



مطلع

جہاں میں آج نمایاں طرب کے ہیں آثار
کہ شہ کی سالگرہ کی ہے جشن کا دربار

دلوں میں جوشِ محبت لبوں پہ شکرِ خدا
ہر اک وفورِ عقیدت میں آج ہے سرشار

ڈنر کہیں ہے تو ایٹ ہوم کا کہیں جلسہ
کہیں پہ محفلِ رقص و سرود کی ہے بہار

طرب سے دلکش و موزوں ہیں جھنڈے ہر سو
ہر اک ہے شاد ہر اک جا خوشی کے ہیں اذکار

وہ آج لطف ہے کل کی نہیں کسی کو فکر
عیاں یہ ہے کہ زمانہ سے اُٹھ گئے افکار

چمن میں آج عروسِ چمن کی شادی ہے
خوشی کا باغ کے در پہ بندھا ہے حسن ہار

بہار آئی کہ باغِ جہاں کی رُت بدلی
اُٹھا وہ ابر وہ سنکی ہوا وہ آئی پھوار

دبائے لیتا ہے چرخِ بریں کو اب بادل
گھٹا یہ جھوم کے اُٹھی کہ ہیں عیاں کہسار

یہ چوٹیاں ہیں پہاڑوں کی تا فلک پہنچیں
سیاہ ابر کے لکوں کی یا جمی ہے قطار

بلائے دیتی ہے دل کیا گرج ہے بادل کی
کہ ان پہاڑوں میں گونجا ہے شیر یکبار

یہ صاعقہ کی چمک ہے سیاہ بدلی میں
کہ ایک شوخ کی چوٹی میں ہے کرن زرتار

وہ ایک آن میں گھنگھور چھا گیا بادل
شروع ہو گئی بارش رہا نہ دل کو قرار

جہاں میں آیا ہے پھر برشگال کا موسم
ہے آٹھ سال کا یا آٹھ ماہ کا ہے خمار

مطلع

پلا دے ساقی جو ہے ہوش کہاں کی استغفار
کہ زاہدوں کے بھی غائب ہیں جبہ و دستار

عمامے بیچ کے پیتے ہیں ایسے موسم میں
نہوں بلا سے نہوں جیب میں اگر دینار

زباں پہ یہہ ہے کہ خالی نہ اٹھکے جائینگے
جو نقد پاس نہیں پی رہے ہیں لیکے ادھار

سیاہ گھٹے کو ڈھالکا ہے سرخ شفقہ سے
بنا ہے رشتۂ تسبیح رشتۂ زنار

طلوع گلاب تو میں آنکھوں سے اسکی خاک قدم
وہ آگیا مرا ساقی مرا پری رخسار

ادائیں دیکھیں جو زاہد نے اس پریوش کی
تو بھول بیٹھے ہیں حوران خلد کو یکبار

خدا کی شان نظر آرہی ہے جام میں آج
نہ دھیان کل کا نہ گنتی میں آج ہے روز شمار

جو پوچھتا ہے کوئی مسکرا کے کہتے ہیں
مریض عشق ہیں پیتے ہیں شربت دینار

کلام یہہ ہے دیے جاؤ میں پیے جاؤں
نہ ساغروں کی ہے گنتی نہ ہے خموں کا شمار

زباں پہ نہیں اور اور کے سوا کچھ اور
نہ کے نہ دور نہ ساقی کے ہاتھ کو ہے قرار

بنا لیا ہے جو موسم نے سب کو متوالا
تو ایک رنگ میں سب پیے ہیں سرشار

پڑے ہوئے ہیں وہ ہر سمت باغ میں جھولے
وہ مہوشان خوش الحان الاپتے ہیں ملار

کبھی تو گاتے ہیں ساون وہ پینگ لے لیکر
ہوا میں زلف بکھر کر دکھا رہی ہے نکھار

کلیجہ تھام کے اف کہکے رہ گئے عشاق
ہوا کے جھونکے میں سینہ سے ہٹ گئی جو چنار

نظر کی چوٹ ہے یا رہ گیا ہے عکس نظر
اگر نہ چاند سا چمکا تھا جھولتے میں ابھار

اسی سے بدر ہوا شمس اگر دیکھو
اسی نظر سے تکلف سے عیاں ہیں کچھ آثار

چمک سے خرمن ہستی پہ گر پڑی بجلی
گلے میں ہے جو کسی ماہوش کے چندن ہار

کسی کے ساتھ کے نیند سے کا دل ہی جلے آغوش
کسی کے کان کی بجلی ہے ما عقد گہر دار

کہیں جو دیکھیے طبلہ پہ تھاپ پڑتی ہے
وہ رقص ہوتا ہے اور گھنگرو بجتی ہے جھنکار

کہیں پہ گونج رہی ہے صدائے چنگ و رباب
کہیں پہ زیر شجر اک بجا رہا ہے ستار

مطلع

خزاں کے بعد جو آئی چمن میں فصل بہار
عیاں ہے صاف کہ ہے ایک تازہ صد بہار

ہر پتی پتی کا ہر دم خیال رکھتی ہے
یہ بوٹی بوٹی کا کرتی ہے دھیان لیل و نہار

چمن میں آج دبے پاؤں چل رہی ہے نسیم
یہ خوف ہے کہ نہ سبزہ ہو خواب سے بیدار

ہے صحن باغ میں یوں گل کا فرش بوقلموں
کہ دیکھتا ہے اسے جھک کے چرخ مینو کار

کبھی نہ خواب میں چشم فلک نے دیکھی تھی
بڑھی ہوئی ہے یہ باغ جہاں کی پیداوار

نمو نے باغ میں ایسا عمل بٹھایا ہے
پھلوں کے ڈھیر گلوں کے ہیں چار سو انبار

نمو کے فیض سے سبزہ اگایا دم بھر میں
لگا جو سینۂ بلبل پہ مرہم زنگار

تمام جسم پہ لو کی لپٹیں نکل آئیں ہے
وہ پھوٹنے لگیں کلیاں کھلے وہ پھول ہزار

قفس میں اب تو نہ گھبرائیگی کبھی بلبل
یہ شرط ہے کوئی سامنے ہو آئینہ دار

چمن میں شاد و فرحناک ہیں جو سب ہمچشم
چھپی ہے آڑ میں پتوں کے نرگس بیمار

ادا سے ایک نے لب پہ مسی لگائی ہے
سنوارتا ہے کہیں کوئی طرۂ طرار

حنا کی پھر تو نہ حاجت رہی ہے سرخ ہوا
پڑا جو عارض رنگین گل پہ دست چنار

جھلک رہے ہیں گہر یا ہیں قطرۂ نیساں
چھلک رہے ہیں مصفا جو باغ میں انہار

لہک رہا ہے یہ سبزہ کہ مخملی ہے بساط
مہک رہا ہے وہ تختہ گلوں کا عنبر بار

چہک رہے ہیں عنادل کہ ارغنوں کے ہیں ساز
بہک رہے ہیں جنہیں سن کے وجد میں میخوار

دمک رہا ہے گل اشرفی پہ وہ کندن
چٹک گئی وہ کلی ہیں عیاں سنہرے تار

چمک رہے ہیں وہ پتوں پہ قطرۂ شبنم
دہک رہی ہیں کہیں پتیاں جو ہیں گلنار

طیور وجد میں وہ اڑ رہے ہیں غول کے غول
اتر کے نہر پہ بیٹھے ہیں وہ قطار قطار

دلوں میں بیٹھ گئی ہے صدا پپیہے کی
جنوں کو یاد دلاتی ہے پی کہاں کی پکار

وہ گرد سرو کے نادے ہیں قمریاں ہیں جدا
گلوں کے بیچ میں وہ بلبلوں کی ہے چہکار

دہن سے طائروں کے پھول جھڑتے ہیں گویا
سمجھا رہے ہیں پروں کو جو کھول کر منقار

سماں یہ دیکھ کے رقصاں ہیں باغ کے رہنا
سماں یہ دیکھ کے جنباں ہیں باغ کے اشجار

اثر جو سالگرہ کی خوشی کا ہے کھیلا
ہزار سال رہے جشن یہ زمانہ میں
ہر ایک ماہ رجب میں ہوں اتنے روز سعید
منائیں سالگرہ ہم حضور کی ہر سال
رہیں حضور کے دشمن جہاں میں پامال
عدو حضور کے خوار و ذلیل و رسوا ہوں
رہیں سر پہ ہمارے حضور سایہ فگن
جہاں میں شاد رہیں شاہزادگان دکن
شمال جد و پدر عرش بارگاہ یہ ہوں
عدو و مملکت شاہ میں ترقی ہو

دعائیں دینے کو آیا ورسی ہو گیا تیار
ہر ایک سال میں آئیں جب پچاس ہزار
محاسبوں سے زمانہ کے جن کا ہو نہ شمار
دکھائیں نظم میں ہر سال ایک تازہ بہار
جو دوست ہیں وہ ہوں مسرور و شاد لیل و نہار
گرائے قعر مذلت میں چرخ کج رفتار
رہے جہاں میں قائم سدا یہ عرش وقار
جہاں میں شہرۂ آفاق ہو یہ عرش [illegible]
ہمیں یہ ظل ہمایوں شہ میں لیل و نہار
بڑھائے دولت و اقبال ایزد غفار

دیگر

گلشن دہر میں ہے فصل بہاری کی [illegible]
جوش میں آکے چہکتے ہیں عنادل ہر سو
ہو نہ بیدار کہیں سبزۂ خوابیدۂ باغ
ایک زبان کہتے ہیں سب کچھ نہیں تحمل کی بساط

قابل دید ہے ہر باغ جہاں کا منظر
گل مہکتے ہیں لہکتا ہے کہیں سبزۂ تر
چلتی ہے آج دبے پاؤں یہاں باد سحر
سب کی آنکھوں میں کھپا جاتا ہے یوں سبزۂ تر

تا مر کو بھی تو نشاں خشک درختوں کا نہیں
فیضِ قدرت سے ہوا جاتا ہے ہر نیم اخضر

پھول جو کھلتا ہے نرگس کی نگہ پڑتی ہے
آڑ کر لیتے ہیں پتے کہ نہ لگ جائے نظر

چشم بد بیں کا نہیں خوف یہاں کچھ اصلا
نظرِ بد کا شگوفوں پہ بھلا کیا ہو اثر

آتشِ عارضِ گل بڑھ کے جلا دیتی ہے
دل عنادل کے ہیں اسپند تو تھالے مجمر

شاہدِ فصلِ بہاری پہ کریں تا کہ نثار
اپنی مٹھی میں لیے بیٹھے ہیں سب غنچے زر

کہیں طاؤس نے ہے رنگ جمایا اپنا
رقص کرتا ہوا پھرتا ہے ادھر اور اُدھر

ہے کنارِ لبِ جو مرغِ خوش الحاں کی قطار
بیچ میں نہر کے ہے جلوہ نما نیلوفر

رُخ پہ لالے کے نہیں داغ یہ ہے خالِ سیاہ
اور اگر غور سے دیکھو تو یہ ہے عکسِ نظر

وہ پڑھوں مطلعِ بیدار کریں جو سرِ طلوع
چونک اُٹھے سبزۂ خوابیدہ بھی آنکھیں مل کر

مطلع

مسکرا دیتے ہیں غنچے بھی صدا سُن سُن کر
عندلیبانِ خوش الحان کے غضب ہیں [illegible]

ہیں نوا سنجِ گلستاں ہیں عنادل [illegible]
وجد میں جھوم رہے ہیں چمنستاں کے شجر

دل اُسے دیکھ کے لہلوٹ ہوا جاتا ہے
آج سوسن کی زباں پر بھی کوئی ہے منتر

گلِ نرگس پہ نظر کر کے نہیں اٹھتی ہے
دل کو اُلجھاتا ہے زلفوں میں کہیں سنبلِ تر

سبزہ دھوپ پہ نہیں قطرۂ شبنم کی جھلک
ہے زمرد کا طبق اس پہ ہیں غلطاں گوہر

ہے نمو صانعِ قدرت کا نمونہ دیکھو | نگراں سبزۂ نوخیز بھی ہے اُٹھ اُٹھ کر

مطلع

تخم بوتے ہی وہ اُگ آئے مع برگِ شجر
سوئے گل اُڑ کے ابھی آئے کہ ہے فصل نمو
ہے ترقیٔ بصارت کہ خدا کی قدرت
وجہ آرائشِ بستانِ جہاں اس سے ہے
آج ہے سالگرہ اُسکی زمانہ میں سُنو
سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا سب کو سرور

ابھی غنچے ہوئے گل گل سے نکل آئے ثمر
چھوڑ دو بلبلِ شیدا کو اگر کاٹ کے پر
سارے عالم کی خبر دیتا ہے اک تارِ نظر
سرسری کہہ گئی آ آ کے یہ بادِ صرصر
ہے جو سلطانِ دکن بادشہِ نیک سیر
اپنے جامے سے ہوئے جاتی ہیں گل بھی باہر

مطلع

ساقیا جلد پلا مجھکو شراب احمر
لو اٹھا ابرِ سیہ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی
خطبہ خوانی ہو کہ اس مے کا ہے پینا مشروع
میرے ساقی نے دیا جام کھلا بادۂ نظم

لا کے لبریز مرے لب سے لگا دے ساغر
مینچو پیرِ مغاں آئے بچھا دو منبر
محتسب کا نہ رکھو خوف نہ قاضی کا خطر
ہاں ذرا تیغِ زباں تو بھی دکھا دے جوہر

مطلع

شاد کی سالگرہ کی جو خوشی ہے دل پر | مسکراتا ہوا پھرتا ہے ہر اک فردِ بشر

کون ہے جس نے کہ اظہارِ مسرت نہ کیا
دل میں ہر وہ جیسے پہ ٹھیا نے جو چرخہ کاتا
جلسۂ رقص و سرود ایک طرف ہوتا ہے
غل مبارک کا سلامت کا ہر اک سمت سنو
ایک جاتا ہے اِدھر ایک اُدھر آتا ہے

اس میں کیا شبہ کہ جشن ہوا ہے گھر گھر
دو چراغ اس نے بھی روشن کئے ہیں در پہ
کہیں اٹ ہوم کا جلسہ تو کسی جا ہے ڈنر
سب ہیں شاداں و فرحناک خوشی کا ہے اثر
ایک کرسی پہ ہے اک جلوہ نما دنگل پہ

مطلع

روشنی کا جو سماں شب نے دکھایا آ کر
شام کے نور سے عالم کو بنایا پُر نور
چھپ گیا مہرِ قمر کا جو ستارہ چمکا
جھلملانے لگے افلاک پہ سب سیارے
روشوں پر عجب انداز سے روشن ہیں چراغ
آسماں سے بھی زمیں باغ کی بڑھ کر ہے کہیں
روشنی سے ہے یہاں سورج وہاں بارہ برج
شیشیاں مانند کے دیتی ہیں اسی کا کہکشاں
لطف ہے باغ میں چھٹتے ہیں کسی سمت انار

روزِ روشن نے بھی ہے شرم کی اوڑھی چادر
ہٹ گیا پچھلے قدم روز بھی آخر کٹ کر
روشنی دیکھنے کو چرخ پہ آئے اختر
جگمگانے لگے ہر سمت درخشاں لشکر
صاف ثابت ہو کہ اترے ہیں فلک سے اختر
یہ بھی سبزے کے افلاک اگے ہیں اکثر
ہیں یہاں سیکڑوں جھاڑ اور وہاں ایک قمر
ڈوب جا اب تجھے پانی جو ملے چینی بھر
چرخیاں بھی شرر افشاں ہیں کہیں گھس چکر

وہ غبارے ہیں جہاں سیر کو ئے چرخ بلند
جا کے سیارۂ افلاک سے جو لیں ٹکر

کہیں شرماتے ہیں تارے کبھی تارہ منہ
ہیں وہ گولے جو کریں گوشِ سرافیل کو کر

ماہتابی سے ہوا رات کو دن کا عالم
پھلجھڑی باغ میں پھولوں کی بچھا دی چادر

مطلع

خسروِ ملکِ سخن کی ہے ثنا مدِ نظر
ہے بجا تارِ نظر سے جو بناؤں مسطر

اے قلم سوئے ادب ہے یہ مضمون آج صریر
اشہبِ فکر سنبھل دیکھ نہ لینا ٹھوکر

سرِ اقدس میں خیالات حکیمانہ ہیں
زیب وہ تاج کو ہوتا ہے یہ فرقِ انور

رائے صائب سے فلاطوں بھی سبق کو پڑھے
حالِ مستقبل و ماضی ہے جہاں پیشِ نظر

کیا کہوں کیسی ہے پیشانیِ انور کی ضیا
سرنگوں جس کے مقابل میں ہو شمس و قمر

دونوں ابرو ہیں کہ محرابِ درِ کعبہ ہیں
مفترض حق نے کیا جس کا اطاعت انساں

دفترِ حسن یہ ہیں صاد اگر غور کرو
چشمِ بد دور وہ آنکھیں جو مروت کا ہیں گھر

نگہِ لطف سے ہوتے ہیں گدا مالا مال
شیر بھی لا نہ سکے تاب جو ہو تیز نظر

دہنِ تنگ کی فرضی بھی نہیں ہے تمثیل
کہکے تمثیل بھلا چپ نہ ہوں میں کیونکر

نہ عنقا ہے نہ ضیا آپ کے دنداں کی سی
آبرو جائے مقابل ہو جو سلکِ گوہر

لب وہ اعجاز مسیحا سے کریں عیسیٰ حیراں
جس پہ ہر وقت رہا کرتا ہے شکر و ...

مطلع

دیکھ لے حُسن خداداد کو اک بار اگر
ہے گلا نور سے معمُور اگر غور کرو
دستگیری کے لیے دست مبارک وا ہیں
پھر لکھوں مطلعِ خورشید سے بہتر مطلع

دل یوسف بھی پھنسے چاہ ذقن میں آکر
صدر وہ جو کہ ہے گنجینۂ علم و ہنر
کھلتے ہیں ناخنِ تدبیر سے عقدے اکثر
پائے اقدس پہ میں آنکھوں کو ادب سے مل کر

مطلع

سر جھکائے در دولت پہ سدا وقت سحر
لوگ کہتے ہیں جسے ظلِ خداوند قدیر
ایسے پیارے ہیں ہر اک شخص کو اعلیٰحضرت
ہیں وفادار رعایا کی وفا تیغ تری
سب رعایا خوش و خرم ہے نہیں کچھ تکلیف
ہو گئے حاسد و نمام یہاں سے مفقود
گرگ و بز ایک ہی گھاٹ آ کے پیئنگے پانی
روح کسریٰ بھی اسے دیکھ کے خوش ہوتی ہے
بادباں عدل کا گر ہے تو اسی کا دامن

بہرِ تسلیم چلا آتا ہے شاہِ خاور
حیدرآباد پہ وہ شاہ ہے سایہ گستر
سب رعایا دل و جاں سے ہے فدا حضرت پر
روشِ انور پہ مزیں ہے دعا انکی سپر
امن و آسائش و آرام کا یہ ملک ہے گھر
نہ رہا نام کو بھی ملک میں اک بانیِ شر
باز و گنجشک رہیں ایک جگہ ہو نہ خطر
خسروِ ملکِ دکن ہے وہ عدالت گستر
زورقِ معدلت و دولت و دیں کا لنگر

فخر سے آئینہ داروں میں وہ شاہ ہوتا
آپ کے وقت میں ہوتا جو کہیں اسکندر

دیکھکر قصر معلیٰ کو ہر اک حیران ہو
آئینہ خانہ بنا دیتا ہے سب کو ششدر

چار مینار تو ہیں عرش سے باتیں کرتے
مکہ مسجد میں ہوا کرتا ہے ذکر داور

بے محل یہ نہیں بے مثل ہے یہ چو محلہ
شش جہت میں تو نہ ہوگا کوئی اسکا ہمسر

کنگ کوٹھی کی وہ زینت ہے کہ ماشاء اللہ
رونق افروز یہاں رہتے ہیں حضرت اکثر

ایک سرکار کو پہرہ ہے تو اک دن کو
تیری ڈیوڑھی کے ہیں دربان سدا شمس و قمر

سب امیران اولوالعزم ترے حلقہ بگوش
جمع رہتے ہیں شب و روز درِ دولت پر

عہدہ داروں میں بھی لاکھ سے ہیں لائق ہر اک
کس کی تعریف کروں ایک سے ہے اک بہتر

قوت ملکِ دکن شاد کو ہیں لسے عزیز
اس ریاست کے بہی خواہ ہیں عالی گوہر

مدح سلطان سے کدھر ذہن ترا جا پہنچا
جائے آداب ہے ہشیار ہو اب بھی یاور

جوش میں آکے ابھی رزم کا نقشہ کھینچوں
تو جو شمشیر قلم اپنے دکھادے جوہر

مطلع

میرے ممدوح کے قبضہ میں جو ہے تیغ دو سر
اس کے قبضہ میں اسی طرح سے ہے فتح و ظفر

دیکھکر جاہ و حشم کا نہیں دبتی ہے
خوف سے کانپتا ہے مہر فلک بھی تھر تھر

رعب کہتے ہیں اسے جاتے ہیں جب شکار
اپنے بیشوں میں دبک جاتے ہیں سب ضیغم نر

شیر دل شیر فگن بحر شجاعت کا نہنگ
بادشاہان جہاں آپ کے ہوں باجگذار
زیب ہے تیرے لیے خلق کی شاہنشاہی
زنگیوں کا وہ رسالہ ہے کہ ما شاء اللہ
بسرم کی ہے وہ پلٹن کہ نہیں جس کی نظیر
وہ عرب جنکی شجاعت میں نہیں کچھ پس و پیش
توپخانہ میں وہ توپیں جو ہیں بے مثل و نظیر
گولکنڈہ کی ہے وہ قلعہ شکن فوج حضور
افسر فوج ظفر موج ہوئے افسر جنگ
الغرض جمع ہیں استاد ہر اک فن کے یہاں
سیکڑوں کوس سے لوگ آئے ہوئی قدر یہاں
ناز ہے جیسے سخاوت کو یہ ایسا ہے سخی
ہاتھ پھیلا کے جو سائل نے کیا آکے سوال
آستانے کو ترے دیکھ کے سمجھے یہ بشر
اب میں اس جا سے نہ جاؤنگا نہ جاؤنگا کہیں

کوئی دنیا میں نہیں ایسا بہادر صف در
ملک گیری کے لیے باندھی ہے آپ نے کمر
ہے ترا مور و ملخ سے بھی زیادہ لشکر
جس میں ہر ایک جواں ہے پیل دماں ضیغم نر
فوج افغاں میں جو افسر و سپاہی یکسر
دفتر فوج کو دم بھر میں کریں زیر و زبر
انکے گولے ہیں وہ گولے جو کریں پیش و پس
جس میں ہر ایک جری شیر سپاہ دشمن
وہ بہادر کہ خطاب انکا ہے کرنل جو ہے
آستاں آپکا ہے مرجع ارباب ہنر
ذات ہے حضرت اقدس کی مسافر پرور
حاتم وقت ہے یہ بادشہ نیک سیر
لے گیا آپ کے دربار سے دامن بھر کر
ہم زمانے میں سنا کرتے تھے پارس پتھر
نہ اٹھا ہوں نہ اٹھونگا در دولت سے یہ سر

بندہ نگار ہے میرا نہ کوئی ساتھی ہے
میری یا تقدیر ہے اور آپکی رحمت کی نظر

کس کا دل بنا فخر نہ کیوں کر ہو اسے
دیکھو یاور کا مقدر کیا ہوا ہے یاور

زلہ خوار دشمن سب اب اسکا بھی بلکہ جہاں تمام
سچ ہے اللہ شکر خورے کو دیتا ہے شکر

آرزو ہے کہ ہو مقبول مجیب الدعوات
ختم کرتا ہے قصیدہ کو یہ شاعر یاور

ہے یہی پیدا کشت میں کن یا اللہ
مدح گو ملک دکن میں نہ غزل گو ہو کوئی

شان کی خلق میں ہوں شاہنشاہ
کج کلاہان جہاں حلقہ بگوش و چاکر

حشمت و جاہ و جلالت کو ترقی ہو نصیب
اوج پہ آپ کے اقبال کا چمکے اختر

خضر کی عمر عطا آپ کو اللہ کرے
آپ اس ملک پہ ظل اللہ ہوں سایہ گستر

بارگاہ شہ ذیجاہ کا رتبہ ہو بلند
جبہ سائی در دولت پہ کریں شمس و قمر

ہوں عدو آپ کے ہر جا پہ ذلیل و رسوا
بھیک مانگے نہ ملے ٹھوکریں کھائیں در در

خیر خواہان دکن شاد و فرخناک سدا
آپ کے سایۂ اقدس میں رہیں شام و سحر

ہفت اقلیم کا اللہ کرے شاہنشاہ
ہو سلیماں کی طرح زیر نگیں ہر کشور

قصیدہ

در تہنیت سالگرہ مبارک بمدح شاہ جم جاہ بندگانعالی متعالی

ہزاگزالٹڈ ہائینس حضور پرنور نظام الملک میر عثمان علیخاں بہادر
فرماں روائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ

جہاں میں روح افزا ہے نسیم خوشگوار اب کی — بہار آئی اور آکر کی دکن میں مسند آرائی
تماشا ہے کہ سرو باغ بھی گلگشت کو اٹھے — تحیر ہے چلے شمشاد بھی بنکر تماشائی
گیاہ سبز ہے یا فرش ہر سو سبز مخمل کا — ادھر سبزہ نظر آیا جدھر کو آنکھ دوڑائی
طراوت بخش ہے سبزہ کھبا جاتا ہے آنکھوں میں — جو نظارہ کرو دم بھر تو بڑھ جاتی ہے بینائی
عنادل کو نہیں ہے دل پہ قابو ہیں خود رفتہ — گلوں نے گل رخوں سے یوں اڑایا طرز رعنائی
زمین باغ و صحرا اب کہاں پھولوں سماتی ہے — جھکا پڑتا ہے جس کی دید کو خود چرخ مینائی
ستارے ہوگئے حیرت سے مثل چشم قربانی — گلوں کی دید سے بزم فلک کی آنکھ پتھرائی
زمیں بھی تنگ آئی کثرت گل کا یہ عالم ہے — قشون ابر نے پھولوں سے آخر چھاؤنی چھائی
ہزاروں پھول رنگا رنگ کے ہر سو نظر آئے — بہار خلد پہ ہنسنے لگے گلہائے صحرائی
ہر اک تختے میں سو سو رنگ قدرت نے بھرے لاکر — ہر اک گل میں ہزاروں پتیوں نے ہی جگہ پائی
سمائی جب نہ دیکھی باغ میں آخر تو اکتا کر — سمٹ کر بوئے گل نے باغ کی دہلیز پر آئی
بسی جاتی ہیں بیلیں کوئی حد سنے کی ہوتی ہے — نمو کے جوش نے گلزار کی دیوار بھی ڈھائی
شفق بنکر ہوا سنجاف دامن بہار آرائش — گلوں کا رنگ آخر لے اڑا یوں چرخ مینائی

ادب آموز حسن و عشق دیکھا طفل غنچہ کو
سبق بھولے گل نرگس نے بڑھ کر آنکھ دکھلائی

صبا نے ناز معشوقوں کے سیکھے ہوئے گل لیکر
چلی جاتی ہے سن سن بلبلوں کو دیکے کترائی

وہ تختہ نرگستاں کا وہ تختہ سنبلستاں کا
نگاہیں جسپہ ہیں بہلوٹ زلفیں جسکی سودائی

طرب انگیزیاں ہر سو نمایاں تھیں جو گلشن میں
نسیم صبح جا کر مژدۂ جاں بخش لے آئی

ہوئی پہلی رجب کی سالگرہ سال ۶۲ یونکی
سبھی خواہان دولت تھے اسی دن کے تمنائی

ہمارے شاہ کو جشن اے خالق مبارک ہو
اسیکے فیض سے ہے سلطنت کی رونق افزائی

ہمارے تاجور کی عقل و دانش کی ہیں سب قائل
مسلمانوں پہ کیا موقوف ہندو ہوں کہ عیسائی

اسی کا آج خطبہ پڑھ رہے ہیں گبر اور ترسا
ہوئے حلقہ بگوش اسکے کنشتی و کلیسائی

وہ عقدے حل ہوئے سارے جو تھے برسوں کے لاینحل
اسی کی ناخن تدبیر نے کی ایسی گیرائی

وہ الجھی گتھیاں وہ مشکلیں نظم ریاست کی
بڑی فرزانگی سے آپنے اک ایک سلجھائی

ہمارے شاہ نے وہ معرکے سب فتح کر ڈالے
سبھی خواہان دولت کو ہوئی تھی جنسے پسپائی

جو منظور نظر تھا کر لیا تدبیر سے حاصل
چلی آگے نہ اسکے عاقلوں کی عقل آرائی

وثائق پوسٹ آفس کی کرنسی نوٹوں کا اجرا
اسی کے عہد میں طے ہو گئی امید بر آئی

اسیکے عہد میں باب حکومت ہو گیا قائم
ہوا وہ صدر مشہور جہاں ہے جسکی دانائی

مؤید ملک کے ہیں صدر اعظم اے زہے شوکت
معزز کیوں نہوں جب شاہ نے کی عزت افزائی

اسی کے عہد میں اس شہر کی رونق ہوئی ایسی
سنتے ہیں کبھی تھا قرطبہ بغداد بھی ایسا
شنیدہ کے بود مانند دیدہ بات سچی ہے
اسی کے عہد میں شہروں کو یہ وسعت ہوئی حاصل
گلی کوچے جو کج وا کج تھے راہ راست پر آئے
وہ ہائیکورٹ اُسکے عہد کی عالی عمارت ہے
وہ افضل گنج میں اعلیٰ بنا ہے ڈاکٹر خانہ
اسی کے عہد میں تالاب با وسعت بنے ایسے
یہ ہیں سرچشمہ فیض انسے نہریں جبکہ جاری ہیں
ہمارے تاجور کی یہ رعایا پروری دیکھو
کیا اک محکمہ قایم بکثرت جسکی شاخیں ہیں
غذا جن کو نہ ملتی تھی ہوئے تھے سوکھکر کانٹا
دعائیں شاہ کو دینے لگے جب عیش میں آئے
اسی نے روح پھونکی آج اس اردو کے قالب میں
سسکتی تھی زبان اردو کی اس نے جان ڈالی ہے

کہ جس کو دیکھکر پیرس کی خوبی آج شرمائی
وہ قصر ہے یہاں خوبی نظر کے سامنے آئی
یہی دل کا مقولہ ہے یہی کہتی ہے بینائی
کہ جس کے حاشیہ میں ہے فضائے چرخ مینائی
حصار اسکے ہیں اب خندق ہے نہ ہے کھائی
نظیر اسکی جہاں میں ڈھونڈھ آئے پر نہیں پائی
ہوئی فرحت ہر اک بیمار کو آئے شفا پائی
کہ جن سے راہ شادابی کی سارے ملک نے پائی
زراعت یوں بڑھے ہر اک کہے امید بر آئی
جو آیا قحط لاکھوں کی مدد حضرت نے فرمائی
جنہوں نے گوشہ گوشہ میں مدد ہر اک کو پہنچائی
ہوئے فربہ بڑھی قوت پلٹ آئی توانائی
بچائی جان حضرت نے تن بیجاں میں جان آئی
اسی عیسیٰ النفس کی فکر سے آئی توانائی
بحکم شاہ دار الترجمے کی مسیحائی

کیا زندہ اسی کی فکر نے مردہ زبانوں کو
ہوئے جیتے جی مرے انکے کلیہ علم پا آئی

کیا ہے محکمہ قایم جو آثار قدیمہ کا
قدیمی سینری کی آپنے تصویر کھچوائی

خزانہ علم کے مدفون تھے اور خلق ناواقف
تھا ادھر عصر کی فکر رسا نے راہ دکھلائی

وہ کتبے جو سلف کے آئینہ تھے زنگ تھا ان پہ
اسی اسکندر ثانی نے صیقل ان پہ کروائی

ہوا ہے آئینہ پچھلے زمانہ کا ہر اک نقشہ
خدا کی شان جسکی دید سے ہم کو نظر آئی

ترقی حال میں کی جن ممالک نے زمانہ میں
توجہ اس طرف بھی شاہ نے اک بار فرمائی

نہایت غور سے اسباب پر انکے نظر ڈالی
ہزاروں کوس اک چشم زدن میں آنکھ دوڑائی

بلائے منتخب اشخاص ساری ہند سے شہ نے
دیے عہدے مناسب کی ہر اک کی قدر افزائی

ہزاروں آ گئے انکی منزلت کی شاہ والا نے
عطا کیں خدمتیں موزوں مناسب قدر فرمائی

قدیمی تھے ملازم مستحق اکثر اضافہ کے
تو تکمیل پائی سوئی ہوئی امیدوں کو بر لائی

کوئی کب پوچھتا تھا ملک کے گوشہ نشینوں کو
لیاقت لاکھ تھی ناقدری نے خاک چھنوائی

ہوئے سب دل جب الطاف شاہانہ تو پھر کیا تھا
کمر بستہ ہوئے خدمت پہ انکی کر کے یکتائی

ہمارا تاجور بھولا نہ اپنے نوجوانوں کو
وظیفہ کر دیے جاری انہیں تعلیم دلوائی

یہاں سے ایشیا میں اور یورپ میں انھیں بھیجا
اٹھائے سب مصارف اور دکھا دی شان دارائی

کہ پڑھ لکھکر جو آئیں ملک کی خدمت بجا لائیں
وہ اپنا فرض سمجھیں اور سنبھالیں شان آبائی

ہر اک علم و ہنر میں طاق اور مشاق ایسے ہوں
کہ پہنچائے جہاں کو فیض انکی خامہ فرسائی

نہ ہو یورپ کی محتاجی کہ پھر استاد فن آئیں
سکھائیں ملک کو اپنے جو ہی تعلیم خود پائی

ریاضی فلسفہ اور ہندسہ اور ہونہی پڑھیں
وہ ہوں جب سائنس میں کامل کریں پھر عقل آرائی

پڑھیں جغرافیہ علم مساحت ہیئت و منطق
وہ سب ہوں فرد علم و فن میں رکھیں شان یکتائی

کریں ایجاد علم و فن کریں ایسے نام ہو جس سے
کہیں سب لوگ ظل اللہ کی ہے کارفرمائی

ہمارے تاجور نے بات کوئی کب اٹھا رکھی
فلاح ملک کی تدبیر ہر اک شہ نے فرمائی

ہوئیں ہیں حکم شہ سے درسگاہیں جابجا قایم
کہ فیض علم سے آئی ہر اک دل میں توانائی

وہ عثمانیہ کالج جسکا مثل ابتک نہیں دیکھا
وہ یونیورسٹی جسکی مثال ابتک نہیں پائی

ہوا وہ محکمہ صنعت کا اس کے عہد میں قائم
کہ جس سے صنعت و حرفت کے قالب میں ہے جان آئی

ہوئی اصلاح ہر اک محکمہ کی ہو گیا شہرہ
کیا وہ شہ نے جو تھا مقتضائے عقل و دانائی

عدالت کا وہ اعلیٰ انتظام اس عادل نے فرمایا
نگاہوں سے جہاں کی گر گیا ہے عہد کسرائی

ہمارا تاجور ہے عدل گستر اس زمانہ میں
کرے کسریٰ بھی نہ اسکے سامنے دعوائے یکتائی

عنایت وہ کہ دنیا بھر نے جسکو ایسے مانا ہے
سخاوت وہ سبق دے جس سے آکر حاتم طائی

شجاعت وہ دم پیکار گر اس کی دہائی دیں
تو اس کے نام سے دشمن کی لشکر کو ہو پسپائی

مروت وہ کہ ہے ساری رعایا جان سے حاضر
خدا کا شکر ہے سب کی زباں پہ ہے سب شیدائی

عبادت وہ کہ جس کا نور پیشانی سے تاباں ہے — ہے اس کا فخر درگاہِ خدا میں ناصیہ سائی

مروت وہ کہ اکثر چشم پوشی دشمنوں سے کی — خطا بھی گر کسی نے کی تو شہ نے عفو فرمائی

فتوت یہ کہ قدرت حق تعالیٰ نے عطا کی ہے — کسی خاطی نے جب مانگی اماں فوراً اماں پائی

ریاضت وہ کہ خلق اللہ کے انجاح مقصد میں — سحر سے شام کر دی اور طبیعت بھی نہ گھبرائی

محبت وہ رعایا سے جو ہے ماں باپ سے بڑھ کر — بھلا شفقت کہاں ماں باپ میں ایسی نظر آئی

فصاحت وہ خدا نے دی فصیحوں نے جسے مانا — بلاغت وہ کہ ہے قابو میں شہ کے نکتہ پیرائی

قلم سے شعر جو نکلا وہ دو لڑا موتیوں کا ہے — طبیعت ابر نیساں ہے کہ جس نے کی گہر زائی

بھلا اس شاہ فن کے سامنے میرا قصیدہ کیا — اگر کچھ قدر فرمائی تو ہے یہ عزت افزائی

قلم رکھا اٹھایا دیر تک سوچا کئی بار — نہ آخر لکھ سکے ہم کی بہت کچھ خامہ فرسائی

[illegible] شاہ [illegible] فخر اس کا ہے — [illegible] سال [illegible] آستاں پہ ناصیہ سائی

جو دیکھا غور سے تو ہے محیط فیض کا مرکز — ترے چشم کرم کا ایک عالم ہے تماشائی

ترا جود و سخا دریائے بے پایاں نظر آیا — سخاوت کی اگرچہ [illegible] کسی نے نہیں پائی

سماعت اور بصارت ہیں یہ دونوں شاہ عادل — سنی ایسی سخاوت اور نہ دنیا میں نظر آئی

قبائے حکمرانی ٹھیک تیرے قدِ موزوں پر — ترے فرقِ مبارک پر ہے زیبا تاج دارائی

قصیدہ کا صلہ ملجائیگا سرکار سے یاور — دعائیں شاہ کو دو جس کے دل میں ہو تمنائی

خداوندا ہمارے تاجور کو تو سلامت رکھ
ترقی پر رہے اس تاجور کا ملک آبادی

رہے یہ تاجور دنیا میں تا دورِ قمر قائم
اسی کی ذات سے ہے مملکت میں آن زیبائی

رہیں اعیانِ دولت شاد و خرم دونوں عالم میں
جو دشمن ہیں انہیں دنیا و عقبیٰ میں ہو پسپائی

مبارک ہو ہمارے تاجور کو جشن سالانہ
کریں یہ ہر سال خوش ہو ہو کے ہم سب بادہ پیمائی

زباں پر نام بادہ کا جو آیا دل ہوا بیکل
مرے قلب و جگر میں شوق نے اک آگ بھڑکائی

گھٹائیں گھر کے اٹھیں برا عالم ہوا ہے پینے والوں کا
کبھی بیساختہ آئی جمائی گاہ انگڑائی

مئے مشروع مجھکو چاہیے ہو خلد کی ساقی
شہِ اسلام کا ہے جشن ہم سب جس کے شیدائی

قصیدہ ختم کرکے اک غزل نادر لکھ ڈالی
سنائی جب تو نقادِ سخن کو بھی پسند آئی

غزل

اٹھا اے ساقئ مہوش کہ باغِ عالم میں بہار آئی
کہ رت بدلی ہوا سنکی گھٹا اٹھی پھوار آئی

دلِ وحشی کو پھر صحرا کی سوجھی پھر بہار آئی
پکارے مور گرجا ابر۔ آوازِ ہزار آئی

مجھی کو ڈھونڈھتی حسرت کی جب تا مزار آئی
انہیں بھی شرم آئی شرم بھی کچھ شرمسار آئی

لبوں تک آ چکی تھی پھر بدن میں جان ار آئی
سواری اس مسیحا کی جو وقتِ احتضار آئی

جنوں صحرا کی جانب لیچلا جب کنجِ عزلت سے
ہوا معلوم مجھکو پھر زمانہ میں بہار آئی

دلِ غمگیں پہ ٹوٹا آسماں گردِ کدورت کا
زمیں اک لو دبا لائے زمیں پھر فشار آئی

مرے مرقد پہ وہ آئی کہاں ایسا مقدر تھا
مگر ہاں فاتحہ پڑھنے کو حسرت سوگوار آئی

گلستاں میں گھٹا کا جھوم کر آنا تماشہ تھا
کہ جس کی دید کو بجلی بھی ہو کر بیقرار آئی

اسے کل دیکھ کر سکتہ سا کیوں تجھکو ہوا ناصح
تری حیرت پہ مجھکو تو ہنسی بے اختیار آئی

پسینہ مجھکو آیا سر سے اونچا ہو گیا پانی
جو سر پر بوالہوس کی اسکی تیغ آبدار آئی

ملائی جب نظر اسنے چلا پہلو سے دل اچھل کر
نگہ پھیری کلیجہ پر چھری بے اختیار آئی

انھیں عشاق کی گنتی میں میرا دھیان آتا ہے
جو میری یاد آئی بھی تو کچھ وقت شمار آئی

کٹی کن مشکلوں سے ہائے وہ کل کی شب فرقت
الٰہی خیر ہو پھر آج شام انتظار آئی

کہیں کیا ہمنشیں کس طرح راز اپنا ہوا افشا
کہ لب پر آہ آئی اور پھر بے اختیار آئی

توکل میں بسر کی عمر بھر حیرت رہی مجھکو
مری روزی کہاں سے اے مرے پروردگار آئی

ہنسی آئی مجھے تھا ناز ایسا اسکی رحمت پر
جو میری فرد عصیاں سامنے روزِ شمار آئی

جناں کو بھول کر سرشار الفت ہو گیا رضواں
تری کوچہ سے کچھ ایسی ہوائے خوشگوار آئی

مقدر میں لکھا تھا زندگی بھر منتظر رہنا
کہ ہم کو موت بھی آئی تو بعد انتظار آئی

نسیم صبح کیا اترائی چھو کر زلف مشکیں کو
مرے زخموں پہ ہونے کیلئے پھر مشکبار آئی

انھوں نے پارسائی کی جو ظاہر غیر کے آگے
لبوں پر مسکراہٹ یہاں مری بے اختیار آئی

نہ جمنے دی کبھی پٹری جہاں کے شہسوار دیکھی
تجھے شوخی یہ کس کی ابلق لیل و نہار آئی

ہمیشہ جان ہی دیتے ہیں تم تو حسینوں پہ
اگر یاور نصیری بھی قسم کچھ انجام کار آئی

جشن

شگفتہ ہوگئیں کلیاں نسیم پھر آئی
نوید جشن طرب مومنوں میں پھر لائی

ہوا نے پھر جو معطر کیا دماغ اپنا
یہ کس کی زلف کی خوشبو اڑا کے لے آئی

نسیم صبح تھی پہلے ہی سے زخود رفتہ
چلی جو زلف کی کوچوں سے اور اترائی

ہماری زخم جگر خندہ زن گلوں پر ہیں
نسیم آئی ادھر اور مشکبار آئی

کچھ اسطرح کسی پہ چھوٹنکا طرب فزا آیا
کہ تازگی دل پژمردہ نے ہی پھر پائی

ختن میں چھوڑ کے مشک ختن کی خوشبو کو
پسند نجف کی چمن کی دکن میں پہونچائی

رہا نہ عنبر سارا کو فخر خوشبو کا
شمیم کاکل مشکیں کا خود ہے شیدائی

بسی ہوئی ہے ریاض نجف کی بو اسمیں
نسیم خلد بریں بھی ہے اسکی سودائی

طواف روضۂ اقدس پہ کرکے آئی ہے
قدم لگا دوں میں آنکھوں سے دی جو دکھلائی

اسی کی خاک قدم توتیائے چشم نبی
اگر ہے شرط کہ رکھتا ہو کوئی بینائی

ہر ایک نقش قدم اسکا فرحت افزا ہے
شگفتہ ہوگئی دل کی کلی جو مرجھائی

گل نجف کی جو نکہت ہی دوش پر اسکے
ہزاروں ناز کیے سر قدم پہ اٹھلائی

اسی نسیم سے تازہ ہوئے گل فردوس
وہ گل کی پھول نہیں تھی کلی جو کمھلائی

عجب اثر ہے کہ وہ بھوک پیاس سب بھولی
کسی نے باغ جہاں میں جو یہ ہوا کھائی

نسیم سیکھ کے آئی کہاں سے یہ انداز
چلی تو ل سکے چلی اور نہ چھاؤں کھلائی

عجیب ناز سے اُس نے اُٹھا لیا دامن
یہ نوک خار سے اُلجھی کبھی نہ اُلجھائی

ہزار خار مغیلاں نے سر اُٹھایا تھا
مگر نکل یہ گئی صاف دے کے کترائی

نسیم کیوں نہ چلے آج چال مستانہ
خوشی کا روز ہے عید غدیر پھر آئی

اُسی کے نے رفع کیا انقباض خاطر کو
پڑی تھی دل میں جو گتھی اُسی نے سلجھائی

علی کو اپنا کیا جانشین نبیؐ نے آج
یہ انتخاب ہوا بہر مسند آرائی

مراجعت جو ہوئی حج سے سرورِ دیں کی
مقام خم تھا کہ اکبار وحی حق آئی

ہوا یہ حکم کہ تم یا نبیؐ کرو اعلان
خدا کے حکم سے ہوتی ہے عزت افزائی

کثیر مجمع حجاج ساتھ آپ کے تھا
حضور شاہ زماں آئے جب خبر پائی

بنا کجاؤں کا منبر چڑھے نبیؐ کریم
پڑھا وہ خطبہ ہوئے محو جس سے شیدائی

خدا کی حمد نبیؐ کی زبان حق کی علیؑ
ہر ایک نفس پہ اک بیخودی سی تھی چھائی

خدا کی حمد و ثنا کر چکے تو حضرت نے
پکڑ کے بازوئے حیدر یہ بات فرمائی

کہ اے گروہ یہ مولا تمہارا سب کا ہے
کہ جانشین ہے میرے بعد یہ مرا بھائی

تمہارا ہادی و مشکل کشا اسے پہچانو
رہے خیال علی کے رہو تو لا ئی

یہ حکم حق ہے جو پہنچا رہا ہوں تم سب کو
خدا کے حکم کو سن لو کرو پذیرائی

کہا یہ سب نے کہ سمعاً و طاعۃً شاہا — ہمیں بھی دل سے خلافت یہی پسند آئی
مطیع و تابع فرماں رہینگے حضرت کی — کیا زبان سے اقرار اور قسم کھائی
علی سا بندۂ یکتا کبھی نہ پائیگا — ہزار سال کرے دور چرخ مینائی
شک اس میں کیا ہے کہ اُس مسند نبوت پر — بجز علیؑ کے کسی کو بھی تھی نہ زیبائی
ستارہ شمس و قمر کا بھلا چمکتا یوں — علیؑ کے در پہ جو کرتی نہ وہ جبیں سائی
شریک جنگ نہوں کونسا وہ غزوہ تھا — پھرے مُظفر و منصور جب ظفر پائی
خدا کی شان نظر آئی جنگ خیبر میں — اُٹھے مصلّوں سے قدسی ہوئی تماشائی
علاوہ اذن چڑھے وہ جہاد پر حیدرؑ — ہٹا غبار علم نے جھلک وہ دکھلائی
وہ پہنچے عرصۂ جنگاہ میں بہ شان شکوہ — وہ دبدبہ تھا کہ رن کی زمیں تھرّائی
نکلنا قلعے سے مرحب کا وہ بہ لاف و گزاف — جہان بھر میں تھی مشہور جس کی یکتائی
وہ بلتن کہ سمجھتا تھا زال رستم کو — لڑائیاں تھا لڑا پر نہ چوٹ تھی کھائی
بڑے غرور میں مستانہ وار آیا تھا — علیؑ کے سامنے پھری یہ مرحبی چھائی
کمک کو ساتھ تھا ابلیس [illegible] لگا — چراغ بجھتا تھا تبھی کچھ اُسنے او کسائی
پر اک حریف سے پھر حملہ ور ہوا ناری — بھڑک کے شعلہ صفت اُسنے آگ برسائی
خدا کے شیر کو غیظ آیا وہ اُٹھی تلوار — مثال برق وہ مرحب کے فرق پر آئی

اس ایک ضرب میں توسن سمیت دو تھا — اس ایک ضرب نے دیوار کفر کی ڈھائی

اسی لڑائی میں جبریل کے کٹے کچھ پر — چلی نہ حضرت میکال کی توانائی

اُکھاڑنا در خیبر کا وہ بوقت نبرد — وہ جست و خیز کہ جس سے زمین تھرائی

امیر کشورِ دین شہریار ملک عرب — وزیر ختم رُسل ختم جس پہ دارائی

شجاعت ایسی کہ سادات جان و تیغ تھے — قنوت ایسی کہ جو دب گیا اما اداپائی

عبادت ایسی عبادت کو ناز تھا جس پر — ریاضت ایسی ملائک کو جس پہ ششدر آئی

مروت ایسی کہ قاتل کیساتھ کی اینچو — عنایت ایسی کہ دشمن کے ساتھ فرمائی

امامت ایسی کہ آخر ہر ایک زمانا — سخاوت ایسی کہ ہو دنگ حاتم طائی

فصاحت ایسی کہ قائل تھے اسے فصیح الفصحا — بلاغت ایسی کہ سنی بیان میں جان آئی

مودت ایسی کہ اللہ نے پسند کیا — محبت ایسی کہ جس کے رسول شیدائی

قدامت ایسی کہ روح الامین کی ہیں اُستاد — کرامت ایسی عیاں جس سے شان یکتائی

مراتب شہ دالامین کیا لکھوں یا در — مناقب آپ کے اور میری خامہ فرسائی

جو آدنیک سیر دل سے جشن کرتے ہیں — ہزار شکر کہ عید غدیر پھر آئی

یہ اُن کے والد ماجد کے وقت کی ہے بنا — کہ دل سے پنجتن پاک کے تھے شیدائی

تمام عمر وہ مداح اہل بیت رہے — جوار رحمت مداح اہل بیت رہے

تو واہ ہم ہیں وہ بیشک تھی مومن کامل
صفائے دل سے علیؑ کو رہے تولائی

خدا نے بخشے ہیں فرزند بھی رشید و سعید
ہے انکے پیش نظر نقش پائے آبائی

قصیدہ جشن

جہاں میں رونق فردوس پھر اب کی بہار آئی
جناں میں جس کا نظارہ کی حوریں بھی تماشائی

ملائک سہرے کی خاطر فلک سے تا زمیں آئے
جھکا پڑتا ہے چاروں سمت سے خود چرخ مینائی

شجر باغ نبی کا آسماں سے بڑھ کے لیتی ہے
ستاروں سے گلوں میں بڑھ گئی ہے آج رعنائی

میان باغ ایسے باصفا ہیرے چمکتی ہیں
فلک پر کہکشاں جسکے مقابل آکے شرمائی

زمیں سے آسماں تک ذرہ ذرہ رقص پر مائل
عروسی حضرت زہراؑ کی باغ دیں کی رعنائی

مبارکباد دینے کیلئے جبریلؑ بھی آئے
نہایت خوش ہوئے میکالؑ نے دم خیرات آئی

ہوئے یوں شاد اسرافیلؑ اپنے فرض کو بھولے
کہ رکھکر صور حضرت نے لگائی منہ سے شہنائی

نبیؐ خوش ہیں خدا کا حکم ہے دولہا بنے حیدرؑ
انھیں کے قصر پر زہرہ نوید جانفزا لائی

خبر دی تھی نبیؐ نے حکم حق کا یہہ علامت ہے
ستارہ سے اڑا ہی تھی آنکھ تھے اکثر تمنائی

اگر اس کامیابی کا علیؑ کے سر بندھا سہرا
ازل سے بات یہ خلاق عالم کو پسند آئی

جہاں میں کون ہے عالی نسب والا حسب ایسا
علیؑ ابن ابی طالب رسول اللہ کا بھائی

مراتب انکے عالی ہیں مناقب انکے عالی ہیں
نبیؐ نے داماد پیغمبر ہوئی یہ عزت افزائی

نبی کا قوت بازو نبی کا وارث شیدا
تعجب کا محل کیا ہے نصیری گر خدا سمجھے
تجھے عیسیٰ لقب سمجھو تجھے عیسیٰ نفس پایا
خدا سے جو طلب تو نے کیا بیشک وہی پایا
حجاب قدس میں کھٹکا نہ جب اسکو پسند آیا
علی حبہ جنۃ قسیم النار والجنۃ
تری ہی شان میں آیا ہوا ہے قول پیغمبر
شجاعت وہ کہ جسکی عمرو و عنتر بھی ہوئے قائل
مروت وہ کہ بے اسلام جسنے اپنا حق چھوڑا
نہ دنیا کی طرف مائل ہوئی شیر خدا مطلق
بھلا شمس و قمر یوں خلق میں پرتو فگن ہوتے
بڑھا رتبہ بنے داماد فخر انبیا حیدرؑ
جو وہ خاتون محشر ہیں تو یہ ساقی کوثر ہیں
زبان پر نام ساقی کا جو آیا دل ہوا بیکل
ہے چھینٹا پینے والوں کیلئے برسات کا موسم

خدا کا خاص وہ بندہ کہ جسمیں شان یکتائی
انھیں دھوکا ہوا جب ہر صفت معبود کی پائی
زباں زد ہو گئی دنیا میں یوں تیری مسیحائی
دعا میں لب ہلے تیرے تن بے جاں میں جاں آئی
خدا نے کلک قدرت سے تری تصویر کھنچوائی
کلام پاک میں جسکی صفت ہر جا پہ آئی
کہ تو دست خدا ہے جسکی ظاہر ہے توانائی
سخاوت وہ کہ جس کا خوشہ چیں ہے حاتم طائی
مودت دین کی حضرت نے ہر غزوہ میں دکھلائی
طلاق اسکو دی مولا نے رکھا نام ہرجائی
جو وہ کرتے نہ تیری آستاں پر جبہ سائی
کنیزیں جسکی حوریں ہیں لقب حسن و حیا پائی
نبیؐ کی وہ جو بیٹی ہیں تو یہ داماد و بھائی
مجھے بیساختہ اس نام پر آنکھ بھر آئی
اور اس پر اک قیامت خیز ہے کالی گھٹا چھائی

مئے توبہ شکن ٹھنڈی ہوا اور وقت بھی شب کا
نہ خوفِ محتسب ہے اور نہ کھٹکا ہمکو واعظ کا
مرے عیسیٰ نفس مجھکو دکھادے تو مسیحائی
جماہی پر جماہی آرہی ہے ساقیا جلدی
کہاں کا جام اور کیسی صراحی خم کا خم دیدے
پیونگا جب میں جلوتی پڑیگی دل میں کچھ ٹھنڈک
نہیں تو جا ہئے خم غدیر اے ساقی مہوش
جتنے پینے والے ہیں تری مشتاق ہیں ساقی
کہیں کیا تجھ سے اے ساقی تجھے ہم کیا سمجھتے ہیں
مرا ساقی وہ آیا آپ سے میں ہو گیا باہر
مجھے اب لغزشِ پا کب سنبھلنے دیگی حیراں ہوں
مدد اے جذبِ دل میں تو پئے تعظیم اُٹھا ہوں
میں گرتے پڑتے پہنچا آخرش ساقی کے قدموں تک
وہیں پھر آکے بیٹھا سب جہاں میخوار بیٹھے تھے
مری اک ہمنشیں نے کی غزل کی مجھ سے فرمائش

کہاں ہیں وہ نہ پیتے کی جنھوں نے تھی قسم کھائی
نجف کے رند ہیں اور کربلا کے ہم ہیں سودائی
رگیں ٹوٹیں کہ اب آتی ہے انگڑائی پہ انگڑائی
نہیں ہے ضبط کی طاقت گئی وہ سب توانائی
پیے گا اُسکے سے ٹھانی ہوئی ہے تیرا سودائی
کہ میرے قلب میں ہے شوق نے اک آگ بھڑکائی
مئے کہنہ ہو اور ہم سب اُسکے ہیں تمنائی
تری اُلفت ہے دل میں اور ہیں تیرے ہی شیدائی
تری خاک قدم ہے توتیائے چشم بینائی
خدا کیواسطے اب ہاتھ تو لینا مرا بھائی
کرونگا دست بوسی راہ میں ٹھوکر نہ گر کھائی
عصائے شوق سے ہونے لگی ہے کچھ توانائی
لگائی ہاتھ آنکھوں سے قدم پر کی جبیں سائی
وہی رندوں کی صحبت پھر وہی ہو حق کی ہے آئی
پڑھی میں نے تو نقادِ سخن کو بھی پسند آئی

غزل

کہاں سے تم کہاں پہونچے ذرا سنبھلو تو ائے یاور
علی کا ذکر لازم ہے کہ سب ہی ہیں شیدائی

محبانِ علی کو رتبۂ اعلیٰ ہوا حاصل
عدو جو آپ کے ہیں انکی عالم میں ہے رسوائی

ہمیں تو یا علی جو کچھ سہارا ہے تمہارا ہے
جو سچ پوچھو تو دل سے ہم تمہارے ہیں تولائی

تمہیں دنیا میں حامی ہو تمہیں عقبیٰ میں ساعی ہو
تمہیں مشکل کشا ہو کی جو مشکل پیش آئی

ہمارا ہاتھ ہے اور حشر میں دامن تمہارا ہے
تمہارے ہی کرم سے دل کو اپنے ہے شکیبائی

گنہ سرزد ہوئے ہیں گو ہمیں بے حد بے پایاں
اگر ہاں قلبِ مضطر کو تمہیں سے ہے توانائی

نہ شک اسمیں کیا تمہیں ہونا خدائی کشتیٔ امت
بھنور میں جب پڑی بادِ مخالف سے اماں پائی

جو حق پہچاننے کا ہے تمہیں ہم نے نہ پہچانا
خدا جانے نبی جانے ہوئے ہیں ہم تو سودائی

تمہارے وصف پھر تحریر میں آئیں تو کیا آئیں
حدِ امکاں بھی کوسوں دور ہے کیسی شناسائی

قلم رکھا اٹھایا دیر تک سوچا کئے یاور
نہ آخر لکھ سکے ہم کی بہت کچھ خامہ فرسائی

بجشن ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام

کیا پیدا خدا نے قوتِ بازوئے شبر کو
مبارک ہو رسول اللہ کو زہرا کو حیدر کو

جناں کا شاہزادہ آنیوالا ہے جو دنیا میں
چلی آئیں ہیں حوریں نقدِ جاں لیکر نچھاور کو

یہ سردارِ جوانانِ جناں ہیں شک نہیں اسمیں
انھیں کو دیدیا اللہ نے جنت کو کوثر کو

شہ گلگوں قبا کی آمد آمد ہے تو رضواں نے
گل نورس نبوت کا جو باغ دہر میں آیا
حسن خوش ہیں کہ انکا قوت بازو ہوا پیدا
عجب کیا حضرت زینب کو جو اک عشق تھا انسے
ذبیح اللہ کو حق نے شرف انکا سا کب بخشا
انھیں کے نور سے معمور تھا کاشانۂ حیدر
وہ اخلاق حمیدہ وہ مراتب عہد طفلی میں
سخاوت اور شجاعت آپ کے حصہ میں آئی تھی
نظر آئی نہ تاریخ جہاں میں اک مثال اسکی
یہ عالم تھا کہ سارے انبیا بھی کانپ اٹھے تھے
مصائب لاکھ جھیلے بات پر اسلام کی رکھ لی
نہ کیونکر محفل میلاد کرتے وہ عقیدت سے
لب کوثر بھی ایک مجمع رہیگا پینے والوں کا
یقیناً دستگیری کو یہی مجمع آئینگے
سلامی ہو کے بڑھ ہونگا پھر وہاں بیجام مئے لیکر

کیا آراستہ خلد بریں کے قصر احمر کو
مسرت تھی علی کو تھی خوشی خاتون محشر کو
گلے سے جوش الفت میں لگائی ہیں برادر کو
محبت سب سے بڑھکر بھائی سے ہوتی ہے خواہر کو
بدل سکتا نہیں تدبیر سے انساں مقدر کو
انھیں کے دم سے رونق ہے رسول اللہ کے گھر کو
نبی پیش نظر رکھتے تھے ہر دم اپنے دلبر کو
شہادت کیلئے دی ہے اماں مغلوب لشکر کو
خوشی سے یوں لٹایا راہ حق میں اپنے گھر کو
مزین کر دیا جب مہر سے حضرت نے محضر کو
نے بیعت دیا ہرگز نہ ہاتھ اپنا ستمگر کو
تعلق ویسی ہی عابد حسین نیک اختر کو
وہاں ڈھونڈینگے ہم سب آپ ساقی کوثر کو
سب اہل بزم کو بھی ساتھ لینگے اپنے دلبر کو
مکاں جنت میں لونگا شاد کر کے شاہ خیبر کو

سلام

صدف سے کیوں نہ ہم بہتر کہیں اُس مہ پیکر کو
نظر سے جسکا ہر قطرہ گرا دے آب گوہر کو

شبِ عاشور جوشِ جنگ تھا یہ شہ کے لشکر کو
کسی تھے شام ہی سے زیب تن سب خود و مغفر کو

بتاؤ کیوں نہ پھر ہم فوق دیں اک حیدر کو
سوا مولا کے کس نے جا کے مارا عمرو عنتر کو

بروزِ جنگ خیبر شیرِ حق کو غیظ ایسا تھا
کبھی تلوار کو دیکھا کبھی جبریل کے پر کو

سوا خاکِ شفا کے پھر نہوا اکسیر کی خواہش
اگر اُسکا اثر معلوم ہو کچھ کیمیا گر کو

شگفتہ دل بنایا ہے کرم سے جن کو خالق نے
مثالِ غنچہ مٹھی میں نہیں رکھتے ہیں وہ زر کو

نبی کے پاس تھا ہر اک پہ کوئی پڑھ نہ سکتا تھا
کیا حیدر ہی نے سر جا کے آخر جنگِ خیبر کو

طلب کرتے نہ کیوں اُنکو نبی نادِ علی پڑھکر
کوئی مغلوب کر سکتا تھا کب ایسے دلاور کو

سرافیل اور میکائیل کی قوت نہ کام آئی
خجل ہوتے تھے دونوں دیکھکر جبریل کے پر کو

اگر رو دوں غمِ شہ میں تو صحرا رشکِ دریا ہو
اگر آہیں کروں تو خشک کر دوں میں سمندر کو

صفائی دلکو ہے آبادگی میں شرط پابندی
لپیٹے ہے کمر سے آئینہ زنجیر جوہر کو

جو فیضِ چشمۂ رحمت کی حیدر کی خبر ہوتی
نہ پھر آبِ بقا کی چاہ کچھ ہوتی سکندر کو

اصیلوں کی طرح جھک کر سر اک دشمن سے ملتی تھی
دکھاتی تھی علی کی تیغ رنگیں اپنے جوہر کو

فروتن ہو جو سمجھو آسماں کا باعثِ رفعت
فقط جھکنے سے یہ رتبہ ہے اس نیلی سی چادر کو

بسر کیا چین سے ہو جب کہ دنیا کی یہ علت ہے
خدا کرنیمیں کوشش ہو برادر سے برادر کو

لیا فوج خدا کی سمت جسدم باگ کا پھیر دیا
نظر آنے لگا باغ جناں حُرّ دلاور کو

ہوئی ہے پنجتن کے نور سے حاصل تجلی یہ
ستاروں کو فلک کو ماہ کو مہر منور کو

گلا اُنکا تو لب اُنکے سدا تھے چومتی حضرت
نبی جب گود میں لیتے تھے شبیر و شبر کو

لٹا کر قبر میں اصغر کو مڑ کر شہ نے فرمایا
علی اکبر ذرا بہلائے رکھنا تم برادر کو

انھیں کیواسطے کل آیۂ تطہیر آیا تھا
وہی ہیں سر چھپانے کیلئے محتاج چادر کو

بروزِ حشر ہم سب حضرتِ عابد سے لی لینگے
وہ ایک بیڑی ہے کافی کشتی امت کے لنگر کو

جوانانِ بہشتی کے صفیں کیں درہم و برہم
نہ چھوڑا میمنہ کو میسرہ کو قلب لشکر کو

زیارت کو تڑپتا ہے نہایت ہند میں مولا
بس اب بلوائیے روضہ پہ اپنے جلد یاور کو

گلوئے خشک شہ پر گر گئی سہار آب آہن کی
کبھی ساحل ملا ہو گا نہ ایسا موج خنجر کو

جو شہ سے پوچھتا تھا باعث درد کمر کوئی
تو فرماتے تھے کھو بیٹھے برابر کے برادر کو

کلیجہ تھام لیتی تھیں تڑپ کر اشک غم پی کر
سکینہ جب پھوپی سے پوچھتی تھی روکے اصغر کو

لسان العاقل وراء قلبه وقلب الجاهل وراء لسانه

یہی چاہیئے بشر کو جو زبان اپنی کھولے
کہ وہ سوچ لے سمجھ لے تو پھر اسکے بعد بولے

جو سمجھ خدا نے دی ہے تو زبان کر اسکی تابع
وہی عقلمند ہے بس کہ سمجھ سے کام جو لے

ہے زبان گو دہن میں ایسی دلسے ہے تعلق
وہی جاہل اور ناداں جو زباں پہ آئی کہہ دے
نہ کبھو زباں سے اُف بھی جو نہ سود مند دیکھے
کرے غیر جو شماتت یہی دوسری مصیبت
جسے ہو نہ ورد اصلاً تو پھر اُس سے کچھ کہو کیا
ہی زباں کی عقل رہبر تو زباں بلا سمجھکر
جو کلام دلنشیں ہو تو نہ کر تو اُس کو اخفا
تری عقل ہی کسوٹی تری عقل ہے ترازو

رہے یہ جو دل کی بات تو یہ ہو تو مجکو رو لے
کہ ہے گور اُس سے بہتر کہ چلے نہ پیٹ پڑ لے
رہے سوز غم میں جلتا کہ جگر میں ہول جھیلے
یہ ہے کون عقلمندی کہ خود اپنا راز کھولے
نہ کرے زباں سے شکوہ جو بھر آئے دل تو رو لے
کہ جو راستہ نہ جانے تو کسی کے ساتھ ہو لے
ملے تجھکو تخم شعر تو خوشی سے اُس کو بو لے
تجھے چاہیئے کہ کس لے تجھے چاہیئے کہ تولے

جو سخن کہ مثل گوہر ترے لب تک آگئے یا در
اُسے رشتۂ بیاں میں تجھے چاہیئے پرو لے

جو سخن ہو مثل گوہر تو ہر ایک ہوگا خواہاں
یہ وہ گوہر ثمیں ہیں کہ نہیں نظیر جن کی
جو کلام پر اثر ہو وہ ہے غیرت جواہر
وہ ہیں چند سنگریزے تو جگر کے ہیں یہ ٹکڑے
وہ ہیں کوہ کے جگر میں تو ہے قلب اُنکا مسکن

یہ جواہر ایسے ہونگے کہ زمانہ ہوگا حیراں
یہ وہ لعل بے بہا ہیں کہ ہیں لعل غلطاں
کہ مقابلے میں اُسکے نہیں اُنکا کوئی پرساں
نہیں اُنمیں ایسی خوبی جو نہیں لطف اُنمیں پنہاں
وہ زمیں کے نیچے پنہاں تو یہ آسماں پہ رخشاں

دُر و لعل کی یہ قیمت کہ نقطہ ہیں بہر قیمت
یہ کلام میں ہے قدرت کہ ہو فقیر سلطاں

جو کلام دلستاں ہے وہ بہار بے خزاں ہے
یہ صفت کہاں گلوں میں کہ وہ ہیں خزاں سے ترساں

ہے فنا کا رنگ اُن میں ہے بقا کا حسن اس میں
وہ ہیں معرض تلف میں یہ ہزار سال یکساں

وہ ہیں چند دن میں فانی یہ ہمیشہ جاودانی
نہ ہمیشہ کا ہے صدمہ نہ ہے آفت زمستاں

ہے سپید کوئی غم میں کوئی زرد ہے الم میں
کوئی سرخ طیش میں ہے کوئی خوف سے ہے لرزاں

ہے ثبات اس سے ظاہر وہ زوال کا ہے مورد
یہ بہار گلشن جاں وہ ہے آب رنگ بستاں

یہ زمانۂ سلف کا ہے اک آئینہ جو دیکھو
ہو منکشف اسی سے وہ جو راز سب تھے پنہاں

کوئی اس کا ہو مقابل نہ کہیں گے ہم تو یاور
ہے کلام میں ہر اک شے جو کھلی ہو چشم عرفاں

تغیرات عالم

ہمیشہ کشت کو کس نے جہاں میں بارور دیکھا
کبھی کٹتے کبھی چھپتے ہوئے گہہ پر ثمر دیکھا

بہت ہیں ایسے جن کا دریوزہ گر در در دیکھا
بہت کم ہیں جنھیں باجاہ و حشمت عمر بھر دیکھا

مجھے عبرت ہوئی ہے جو اک دریوزہ گر دیکھا
کہ پہلے تھا کسی عالم میں اسکو تاجور دیکھا

کبھی گھٹتا کبھی بڑھتا یہ ہمنے عمر بھر دیکھا
ہلال و بدر کا سا فرق ہیں بیشتر دیکھا

کسی کو ہمنے دنیا میں اگر اہل نظر دیکھا
نہ اُس کو آنکھ بھر کر دیکھتے پھر سوئے زر دیکھا

نہ دیکھا ایک کو بھی ایک سی حالت پہ عالم میں
نہ دیکھا آب اُسمیں اور پایا داغ داغ اُنکو
طبیعت کو ہوئی نفرت انھیں پایا جو ہرجائی
ملی رفعت بھی گر تو چین سے کٹتی نہیں دیکھی
ہوائے کجکلاہی پھر رہی سر میں نہ شاہونکو
اُلٹ کر سب خواص زر اسی میں کر دیے پیدا
نسیم جاوداں پایا عذاب جاوداں سمجھے
بقا کو بھی رُخ کرتی نہ دیکھا ماشے دنیا
حقیقت میں وہ کشکول گدائی سے بھی تھا کمتر
بہت کمیاب ہیں جو بو گئے ہیں تخم نیکی کا
بھلائی کا بھلا پھل کسنے باغ دہر میں پایا
سموم دہر کی جھونکوں سے بچنا غیر ممکن ہے
تحفظ میں تمول کی ہے تخم زیر بار ایسا
ہوا محسوس انساں خیر کا ہر وقت طالب ہو
یہی پایا دو روزہ زندگانی کی تھی سرگذشت

طلسمات زمانہ کو بہت کچھ غور کر دیکھا
لگا کر دوربیں بھی رُخ شمس و قمر دیکھا
کبھی ہم نے پلٹ کر پھر نہ روئے سیم و زر دیکھا
فلک پر بھی ستارونکو پھرتا عمر بھر دیکھا
جہانیں ٹھوکریں کھاتا ہوا جب تلخ سر دیکھا
محبت کی نظر سے جب کسی نے سوئے زر دیکھا
نگاہ غور سے بھی جو سوئے خیر و شر دیکھا
مگر سیل فنا کا بھی اُسے کو رہگذر دیکھا
غرور کبر سے مملو جو بھی کوئی سر دیکھا
نہال زندگانی کو بدی سے بار ور دیکھا
جہانیں نخل احساں کو ہمیشہ بے ثمر دیکھا
ہمیشہ پھولتا پھلتا نہ بھی اک شجر دیکھا
خواص دولت دنیا کو مثل حرف جر دیکھا
تعمق کی نظر سے بھی جب لفظ بشر دیکھا
بہت کچھ شان دیکھی اور بہت کچھ کر و فر دیکھا

انیس خوش بیاں کا قول تیا ور لپہ کندہ ہے
عروج مہر بھی دیکھا تو ہمنے دوپہر دیکھا

جذب عشق

ترجمہ از کلام لارڈ ٹینیسن صاحب سوم بیانا ک ڈن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اک جزیرہ گرد جسکے ہیں پہاڑونکی قطار
سطح سے پانی کی ہوتا ہی کسی جا ہمکنار

کچھ بڑی چھوٹی ہیں کچھ ٹیلونکی صورت آشکار
بحر کی آغوش میں یہ ہیں نمایاں مرغزار

تنگ نمر کا ہی جسکے گرد صاف آلماس ہیں
سبزہ رو یونکے لیے دلکش جواہر پاس ہیں

اک جزیرہ میں ہی آبادی نہایت خوشنما
باغ بھی کثرت سے ہیں سب باصفا دلکشا

چھوٹی چھوٹی گو مکاں ہیں پر بہت ہی دلربا
آب شیریں کی جہاں نہریں ہیں جاری جابجا

اس کا منظر بھی سہانا لوگ بھی خوش باش ہیں
پاس انکے غم نہیں آتا سدا بشاش ہیں

مندروں میں جا کی کرتی ہیں عبادت صبح شام
رات بھر آرام سے سوتی ہیں بیکھٹکے مدام

اور دن بھر کام سے اپنے انھیں رہتا ہی کام
صبح کو اٹھکر کیا کرتے ہیں گھر کا انتظام

انکو دنیا کی بکھیڑوں سے غرض کچھ بھی نہیں
بیٹھے بٹھلائے کی فکر ونکا مرض کچھ بھی نہیں

پیشہ ور کچھ ہیں تو کچھ بستی میں رہتے ہیں کسان
راست بازی پر وہ مائل راستی کو انکی شان

سادگی ہی طبع میں اور سادگی میں آن بان
کج روی کا نام کو انمیں نہیں ملتا نشان

قوت بازو پہ تکیہ اور خوشی کے خواستگار
فضل خالق پر بھروسہ اور اسی کی خواستگار

ہی سمندر کا کنارہ سیر کا انکے مقام
ہی عجب پر لطف کچھ اسکا سماں بھی لاکلام

یہ ٹہلتے وہاں چلی جاتی ہیں اکثر وقت شام
اسکی موجونکی وہ گھٹنے اور بڑھنے کا نظام

جب اٹھیں خوش رنگ صدہا سیپیاں بکھرا گئیں
کوڑیاں اپنے خزانہ سے کبھی پہونچا گئیں

ہی پہاڑونکی شگافوں میں کبھی انکا گذر
ہیں درخشندہ ستارے جس میں آجاتے نظر

زرد بالو سے انھیں بھر کر چلی آئیں ادھر
چاندنی راتوں میں یہ منظر ہے دونا لطف پر

اسکی زردی ایک جا پر صورت زر ہو گئی
دل کو جب دیکھا زمیں چاندی کا پتر ہو گئی

سیپیاں خوش رنگ و خوش اسلوب لاکر ڈالدیں
قعر دریا سے کنارہ پر اٹھا کر ڈالدیں

اپنے مصرف سے جو بچیں زائد تو آکر ڈالدیں
کھیلنے کو سامنے بچوں کے جا کر ڈالدیں

جھولیاں بھر بھر کے بچے اپنے گھر کو لائے ہیں
خوش ہیں وہ ایسے کہ گویا لعل و گوہر پائے ہیں

کھیلتے ہیں تین بچے اک طرف وہ ریگ پر
ہے اسی کا نام اینی لی حسین خوش سیر

ہفت سالہ اک پری پیکر بھی آتی ہے نظر
اس کا ثانی تو نہیں دنیا میں سچ پوچھو اگر

پیاری پیاری بھولی بھولی شکل شرمائی ہوئی
کیا بھلی لگتی ہے رخ پہ زلف خم کھائی ہوئی

بچپنے کی سادگی نے اک قیامت ڈھائی تھی
وہ رسیلی آنکھ نرگس جسکی خود شیدائی تھی

قد وہ بوٹا سا نمو ذرا جس میں پائی تھی
عکس عارض سے گلوں میں سرخ رنگت آئی تھی

ابروؤں کی دید کی خاطر ہلال آتا رہا
چودہویں کا چاند اسکے رخ سے شرماتا رہا

ساتھ اسکے ہیں جو دو لڑکے حسین و خوش سیر
نام ہے اک کا اناک اور اک قلب عالی گہر

ایک ہے ملاح کا اور ایک تاجر کا پسر
عمر نو دس سال کی آپس میں ہیں شیر و شکر

وہ حسینہ یہ طفل دونوں ایک جا کرتے بسر
کھیلتے تھے اور الفت سے سدا کرتے بسر

دونوں لڑکوں میں یہ ہوجاتی تھی اکثر قیل و قال
ہے دلہن چھوٹی سی میری اس کا تم رکھنا خیال
کہتا تھا ملاح کا لڑکا کہ یہ زہرہ جمال
دوسرا کہتا تھا میری ہے دلہن یہ نیک فال

دونوں لڑکے اسطرح اکثر جھگڑتے ہی رہے
فیصلہ ہوتا نہ تھا ہر چند لڑتے ہی رہے

تھا انک ان میں قوی تن اور قلب تھا دھان پان
وہ قوی ہیکل بھی تھا اور تھی شجاعت کی بھی شان
عمر میں کم تھا زیادہ تھی مگر کچھ آن بان
اس میں استقلال اور صبر و تحمل کی تھی آن

روز ہوتی تھی لڑائی فیصلہ ہوتا نہ تھا
لڑتے تھے وہ قطع لیکن سلسلہ ہوتا نہ تھا

کہتی تھی وہ تم نہ آپس میں لڑو میرے لیے
دوست صادق ہو تو تم دشمن نہ ہو میرے لیے
یہ جہالت ہے کہ یوں تم جان دو میرے لیے
دور کر دو رنج و غم آپس کا لو میرے لیے

میں دلہن دونوں کی ہوں دونوں کی میں دلدار ہوں
دلربا دونوں کی ہوں دونوں کی میں غمخوار ہوں

پاک الفت اور محبت میں کٹے جب چند سال
شہرۂ آفاق اپنی کا ہوا حسن و جمال
اور پہونچے رشد کو اپنے یہ تینوں نونہال
جال سے ہونے لگے عشاق کو دل پائمال

حسن کو اس کی جوانی نے دو بالا کر دیا

تلخ شیریں کو کیا لیلی کو کالا کر دیا

چاند سا چہرہ تھا جس نے بدر کو شرما دیا
مثل خورشید اور جوش حسن نے گرما دیا
نوک مژگاں نے دل عشاق کو برباد دیا
لطف نغمہ کا ملا جب منہ سے کچھ فرما دیا

چشم مسکیں کی نظارہ سے ہر اک سرشار تھا
سامنے جو آ گیا ناوک جگر کے پار تھا

تھا اشارہ ابروئے خمدار کا آؤ ادھر
ہے یہ محراب در امید اے اہل نظر
منتیں مانو مرادوں کے ملیں تم کو ثمر
آرزوئیں جس سے برآئیں یہ قد ہے وہ شجر

زندگی کا لطف اس کی دید سے ملتا رہے
غنچۂ امید اس کے وصل سے کھلتا رہے

یہ پری پیکر جو دیکھو غور سے ایک حور ہے
نام کو بینا نہیں لیکن سراپا نور ہے
یہ قد موزوں ہے اسکا یا کہ شمع طور ہے
موسی عمران کو غش آ جائے تو کیا دور ہے

پاس سے پریاں نہ جائیں اسکا سایہ چھوڑ کر
اس کا دم بھرنے لگیں زاہد بھی توبہ توڑ کر

اسکے خواہشمند تھے دنیا کے اکثر نامور
چاہتے تھے عقد کر لیں تا بعشرت ہو بسر
بچپنے سے تھا فدا اس پر اک خوش سیر
اور تھا اس ماہ وش کی بھی وہی مدنظر

غنچۂ اُمیدان دونوں کا آخر کھل گیا
اور ان دونوں کی شادی ہوگئی دل ملگیا

اس دلہن کیواسطے اُسنے خریدا اک مکاں
خانہ داریکا بھی ساماں کچھ مہیا تھا وہاں

عالمِ عشرت کا اِن چیزوں سے ملتا تھا نشاں
غم نہ تھا اُس مہروش کو تھی ہمیشہ شادماں

اپنے شوہر کی شکایت لب تک آتی ہی نہ تھی
غیر کی ثروت نظر میں کچھ سماتی ہی نہ تھی

کردیا اللہ نے اولاد سے بھی بہرہ ور
پہلے اک لڑکی ہوئی اور بعد اسکے ایک پسر

چاند کی ٹکڑی تھی یا دونوں بچے تھے لختِ جگر
پھر عطا اُنکو ہوا ایک تیسرا نورِ نظر

تیسرا بچہ نحیف و ناتواں و زار تھا
ماں فدائی جس کی تھی اور باپ بھی غمخوار تھا

بعد شادی کی کٹے اسطرح انپر سات سال
ہوگئی مفلس رہا کچھ بھی نہ انکے پاس مال

کردیا آخر زبوں انکا پریشانی نے حال
اپنی ناداری کا پھر بڑھنے لگا رنج و ملال

رنج و غم کھاتی تھی اپنی اسکو حیراں دیکھکر
دلدہی کرتی تھی شوہر کو پریشاں دیکھکر

اُسنے ٹھانی دلمیں کرنا چاہیئے مجھکو سفر
تاکہ اطمینان سے دنیا میں ہو جائے بسر

اک جہاز اُسنے بنایا کشتیاں سب بیچکر — اور تجارت کا بھی کچھ ساماں ہوا مد نظر

باندھ لی آخر کمر اُس نے جدائی کے لیے
ہوگیا تیار قسمت آزمائی کے لیے

فکر روزی دیکھیے کرتی ہی کس کس سی جُدا — گھر بھی چھوٹا اور وطن بھی اور ساری اقربا
دوست چھوڑے بچپنے سی جن کا ہر دم ساتھ تھا — چھٹ گئی لخت جگر اور ماہ طلعت دلرُبا

ایکدم کو جن کا ہٹ جانا گوارا ہی نہ تھا
خود تڑپتا چھوڑ جائے اور چارہ ہی نہ تھا

روح کو بالیدگی ہوتی تھی جن کو دیکھکر — چھُٹ گئی اور قلب کی تسکیں تھی اُنکو دیکھکر
دل کو دیگا اب تسلی آہ کِنکو دیکھکر — شامِ فرقت کا تصور ہوگا دن کو دیکھکر

چھوٹ کر پیاروں سے اپنے کیا بھلا چین آئیگا
عالم غربت میں اب کس طرح دل بہلائیگا

ہوگئی اپنی دمِ رخصت نہایت بیقرار — عارضِ تاباں پہ اشکوں کی بندھی تھی اک قطار
دوش پر شوہر کے سر تھا رنج و غم سے ہمکنار — چشمہائے نرگسی سے تھے رواں دو جوئبار

شکل راحت اب نظر ایکدم کو آتی ہی نہ تھی
دلپہ قابو وہ کسی صورت سی پاتی ہی نہ تھی

دیکھتی تھی اپنے بچوں کو وہ رو کر بار بار
کسطرح پالونگی انکو اے میرے پروردگار
دل میں کہتی تھی کہ ہوگا کون انکا غمگسار
کون ہمدردی کریگا کس کی ہونگی شرمسار
کیا کرونگی میں شریک حال کس کو پاؤنگی
کس طرف ان بیکسوں کو آہ لیکر جاؤنگی

یہ مرے معصوم بچے ہیں نہایت خردسال
پاس مجھ کمبخت کے زر ہے نہ دولت ہے نہ مال
باپ ماں کی ہیں ابھی محتاج میرے نونہال
کیوں نہ شوہر کی جدائی سے ہو میرا غیر حال
چاہیئے آمادہ ہو جاؤں فقیری کے لیے
کون اٹھے گا جہاں میں دستگیری کے لیے

اس کو شوہر کی جدائی ایک مصیبت ہوگئی
ایک سکتا سا ہوا پتھر کی صورت ہوگئی
مُردنی چہرے پہ چھائی غیر حالت ہوگئی
غم کی صورت بن گئی تصویر حیرت ہوگئی
اب یہ بچتی ہی نہیں سب کو گماں ہونے لگے
موت کے آثار چہرے سے عیاں ہونے لگے

بحر غم میں ڈوب کر شوہر رواں سے ہی جہاز
تھا سمندر میں الم کے اس طرف وہ پاکباز
ماہیِ بے آب کی صورت تپاں یہ سرفراز
اس طرف خشکی پہ مرگ و زیست میں راز و نیاز
پھنس گیا تھا اسطرف وہ ورطۂ افکار میں

ناؤ اس کی رہ گئی ہی ناخدا منجدھار میں

تھے غم و ہم کے تلاطم میں یہ دونوں مبتلا　　اور دریائے تفکر میں تھا دل ڈوبا ہوا
ورطۂ افکار پر انکا نہ کچھ قابو چلا　　آ گیا گرداب کی پھندی میں دونوں کا گلا
موت گو آئی نہیں صورت مگر دکھلا گئی
کشتیِ عمرِ رواں چکر میں آخر آ گئی

بادباں کھولے گئے اور اٹھ گیا لنگر ادھر　　اور گھنٹی بھی جدائی کی بجی وقتِ سحر
رہ گئی ساحل پہ دل کو تھام کر یہ حور گر　　دل ہوا تھا بوسی یا ہر جاں چلی تن چھوڑ کر
دم کا گھٹنا تھا قفس تھا قید کا آغاز تھا
طائرِ روحِ رواں بھی مائل پرواز تھا

ٹکٹکی باندھے سوئے دریا کھڑی تھی یہ وہاں　　ہے لبِ جو سروِ استادہ یہ ہوتا تھا گماں
یا سمندر سے قدِ آدم تھا اک شعلہ عیاں　　شمعِ بزمِ حسن تھی با اشکِ ریزاں دُر فشاں
اک پری یا چھوڑ کر نکلی تھی کوہستاں کو
حسن کی دیوی اتر آئی تھی یا استھان کو

پھر پا بوسی بڑھی آتی تھیں موجیں بار بار　　چومے لیتی ہیں قدم لہروں سے تھا یہ آشکار
ہر دمِ آبی اٹھے پوجا کی بس کرکے بچار　　شور تھا دریا کا ناقوسِ برہمن کی پکار

سیپیاں تو رونمائی کو گہر لانے لگیں
مچھلیاں درشن کو ابھریں اور قریب آنے لگیں

لعل لب کے سامنے مچھلی جو کوئی آ گئی
سرخ رنگت ہو گئی جوڑا شہانہ پا گئی

عکس عنابی لبوں کا پڑ گیا اترا گئی
نسل میں اُنکی سراسر سرخ رنگت چھا گئی

آب دریا کو اسی سے برتری ہونے لگی
فیض رُخ سے شاخ مرجاں بھی ہری ہونے لگی

آب کو اُسکے رُخ زیبا سے جنت مل گئی
سلک گوہر عکس دنداں کی بدولت مل گئی

تھا نمک جو حسن میں اُس سے ملاحت مل گئی
موتیوں کو آبداری و لطافت مل گئی

روئے روشن سے فلک پر مہر شرمانے لگا
عکس رُخ سے بدر پانی میں نظر آنے لگا

تھی لب ساحل کھڑی اس سمت یہ سرو جمال
سر بزانو فکر میں تھا غیرت حور پری تمثال

فرط غم سے اُسطرف شوہر تھا کشتی پر نڈھال
آہ لب پر چشم پُر نم قلب مضطر غیر حال

دل تھا مضطر دیکھتا جاتا تھا ساحل کیطرف
آنکھ ساحل کیطرف تھی اور نظر دل کیطرف

اسطرف یہ حور وش تھی ساکت و صامت کھڑی
بے خبر ہر شئے سے تھی اور آنکھ کشتی سے لڑی

یاس وحسرت کی تھی یورش اور مصیبت آپڑی
روح وتن کی جسطرح سے ہو جدائی کی گھڑی

جب جہاز اُس کو ستارہ سا نظر آنے لگا
صبح فرقت کا سماں رُخ اُسکو دکھلانے لگا

بادل رنجور بیٹی اپنے گھر کو سوگوار
اُنگلیاں دو طفل پکڑے گود میں اک شیرخوار

پہونچی اپنے کلبۂ احزاں میں باصد اضطرار
رنج میں روتی ہوئی تھی دل گرفتہ بیقرار

جسطرح ممکن ہوا آخر گذر کرنے لگی
عالم عسرت میں وہ اپنی بسر کرنے لگی

گود کا بچہ تھا پہلے ہی سے زار و ناتواں
طول کھینچا اُسکی بیماری نے اور گھبرائی ماں

جاں بحق تسلیم آخر ہو گیا وہ نیم جاں
رہ گئی اپنا کلیجہ تھام کر گریہ کناں

چرخ کجرفتار نے سینہ کو غم سے بھر دیا
داغ دل نے اس پریشانی کو دونا کر دیا

پاس اس کی ایکدن آیا فلپ عالی تبار
حال ہمدردی سے جب پوچھا ہوئی یہ اشکبار

بیقراری بڑھ گئی پایا جو اپنا غمگسار
تھی یہ گریہ در گلو اور رو رہی تھی زار زار

نطق پر قابو نہ تھا خاموش رہ سکتی نہ تھی
پڑ گیا تھا قفل مونہہ میں کچھ وہ کہہ سکتی نہ تھی

دی فلپ نے اسکو تسکین اور سمجھانے لگا
بے خبر اب تک ہا کیوں اس سے شرمانے لگا
حال بیان بلقیس سے رنج و غم کھانے لگا
ضبط مشکل تھا کلیجہ موںہہ کو جب آنے لگا

پی کے آنسو کھا کے غم اپنی کو سمجھاتا رہا
دونوں بچو نکو بٹھا کر پاس بہلاتا رہا

پھر کہا اپنی سے یوں اس نے بعجز و انکسار
آہ کب تک یوں رہو گی رنج و غم سے ہمکنار
گھر میری چل کر رہو میں ہوں تمھارا غمگسار
مورد افکار کیوں ہو خوش رہو لیل و نہار

دونوں بچو نکو میں سمجھونگا مری دلبند ہیں
آج سے میرے یہ دونوں دختر و فرزند ہیں

سنکے یہ اپنی کو غیرت سے پسینہ آگیا
سرخ رنگت ہو گئی چہرے پہ غصہ چھا گیا
اس تغیر سے فلپ بے انتہا گھبرا گیا
اپنی ہمدردی کو ظاہر کر کے وہ شرما گیا

اور کہا للہ دل میں دھیان کچھ لاؤ نہ تم
بدگمانی کی سبب سے رنج و غم کھاؤ نہ تم

دوست ہی میرا اک خوش نہاد و خوش سیر
وہ تمھارا شوہر عالی نسب والا گہر
آئیگا ایک روز آخر ختم کر کے یہہ سفر
اس سے لے لونگا جو ہوگا صرف میرا مال و زر

صرف تم جو کچھ کرو گی یہہ سمجھ لو قرض ہے

دستگیری دوست کی بچوں کی میرا فرض ہے

دونوں بچے لائق تعلیم ہیں ای خوش سیر　　اب یہی سن ہی سکھانا چاہئے علم و ہنر
گر ہوی غفلت تو پچھتانا پڑیگا عمر بھر　　فکر انکی چاہیے ہی اب ہمیں شام و سحر

لائق تحسیں نام انکا ہو یہی مقصود ہے
انکی خدمت کے لیے نا چیز تو موجود ہے

نامناسب ہی اگر جانا ہو تم اپنے گھر　　ہاں مگر بچے یہ دونوں ہیں مری لخت جگر
انکو اپنی پاس میں رکھوں اجازت دو اگر　　یہ کسی صورت سی لائق ہوں یہی ہی مد نظر

سر جھکا کر شرم سی اس نے کہا مختار ہو
اب یقیں آیا کہ تم بیشک میرے غمخوار ہو

لے گیا بچوں کو ساتھ اپنے فلپ عالی تبار　　ہو گیا ان بیکسوں کا جان و دل سی غمگسار
ان کو بے دیکھی اسے آتا نہ تھا اک دم قرار　　فکر میں تعلیم کی ان کے رہا لیل و نہار

اسکی غافل ایک لحظہ بھی یہ رہ سکتا نہ تھا
اسکے بچے وہ نہیں یہہ کوئی کہہ سکتا نہ تھا

اسکی شفقت دیکھکر سمجھے یہہ دونوں خورد سال　　ہے وہی انکا پدر اور ہیں یہہ اسکے نونہال
باپ ہی کہکر پکارا کرتے تھے یہہ اس سی مقال　　باپ بھی وہ جسکو بچوں سی محبت ہو کمال

چھوڑ کر تنہا کبھی اُس کو نہیں جاتی تھے وہ
کوئی دم کو پاس اپنی ماں کی ہو آتے تھے وہ

گھر کے دھندے سے فراغت پا کے اپنی بیقرار — آتی تھی دریا پہ یوں جیسے کوئی امیدوار
دل فگار و دل گرفتہ اشک ریز و اشکبار — بیٹھ کر ساحل پہ وہ رہتی تھی محوِ انتظار

دوربیں آنکھ ہی ہوئی شوہر کی بھی ہمراہ تھی
دل میں یاد آنکھوں میں اشکِ غم لبوں پر آہ تھی

دیکھتی جاتی تھی دریا کی طرف وہ مہ جبیں — تا نظر آجائے کشتی اسکی شوہر کی کہیں
پھر پلٹ آتی تھی گھر پر ہو کے یوں وہ حزیں — آنکھ میں آنسو لبوں پر آہ دل اندوہگیں

کلبۂ احزاں میں اپنے آکے چپ رہتی تھی وہ
یاس اور اُمید کی روز آفتیں سہتی تھی وہ

دونوں بچوں نے یہ آکر ایکدن اُس سے کہا — سیرِ جنگل کی کرینگے آپ بھی چلئے ذرا
سہ پہر کا وقت ہے صحرا ہے اور ٹھنڈی ہوا — وہ اُٹھی چلنے کو اتنے میں غلب بھی آگیا

ساتھ اپنے اُس کو بھی اصرار کرکے لیچلے
کام تھے ہر چند پر ناچار کرکے لیچلے

کھیلنے میں ہو گئے مشغول دونوں [illegible] — اور اپنی غلب کرتی تھے انکی دیکھ بھال

اپنے بچپن کا انھیں بھی یک بیک آیا خیال
پہلے اپنی ذکیا ساتھی سے اپنے یوں سوال

ہم بھی یوں ہی کھیلتے تھے یاد ہے کیا دن تھے وہ
کیسی بیفکری تھی حاصل کیوں قلب کیا سن تھے وہ

کھیلتے تھے ساتھ ہم تم اور انا آٹھوں پہر
ایک جا رہتے تھے ہم تینوں سدا شام و سحر

اس پہ کیا گذری خدا ہی کو ہے بس اسکی خبر
کسطرح وہ کر رہا ہوگا خدا جانے بسر

بھول جاوے وہ نہیں یاد رہیہ آسکتا نہیں
خود بھی آسکتا نہیں ہم کو بلا سکتا نہیں

سن کے یہ اس سے قلب نے تب کہا اے نیک ذات
تم برا مانو نہ گر تو میں کہونگا ایک بات

اس سے ملنے کی نہیں امید کچھ اے خوش صفات
اس سے خالی ہو چکا ہے یہ جہان بے ثبات

دس برس گزرے نہیں آیا نظر اس کا جہاز
اب کہاں وہ اس جہان میں اور کدھر اس کا جہاز

تم یقیں جانو کہ ڈوبا وہ وگرنہ میری جاں
ساتھ والوں میں پلٹ کر کوئی تو آتا یہاں

میں نے چاہا لاکھ ملجائے کہیں اسکا نشاں
پر نہ کچھ اس کا پتہ ہے اور نہ ملنے کا گماں

زندگی برباد کیوں کرتی ہو اس کے واسطے
جو نہ دنیا میں ہو کیوں مرتی ہو اس کے واسطے

غرقِ دریائے تفکر ہو کے بولی وہ حسین
لوگ امیدیں دلاتے تھے کہ تسکین ہو کہیں

میں تو ناواقف تھی اب تک اس سے تم جانو یقیں
میرا جینا تھا اسی امید پر اے ہمنشیں

زندگی دوبھر ہے اب تو ہائے خدا آجائے موت
زندگی ہو جائے مجھ کم بخت کی گر آئے موت

کسطرح تنہائی میں ہوگی خداوندا بسر
مضطرب ہو کر غلیب نے رکھدیا قدموں پہ سر

کون ہمدردی کریگا آہ میری عمر بھر
اے میری پیاری ہراساں ہوتی ہے کیوں اسقدر

شکر خالق کا کہ مال و دولت و زر پاس ہے
مجھکو اپنی جان سے تم سب کا بڑھکر پاس ہے

دولت و فرزند دختر بھی خدائی کی عطا
جانتے ہیں مجھکو اپنا ہی پدر یہ مہ لقا

دونوں ہیں بچے تمہارے میرے بھی اے دلربا
باپ کہتے ہیں مجھے اور میں بھی ان پر ہوں فدا

ہر طرح امداد کرنے کے لئے تیار ہوں
تم نہیں منظور کرتیں اس لیے ناچار ہوں

خوف تمکو بھی ہے اور مجھکو بھی اسکا ہی خیال
پر تمہارے ہاتھ میں تدبیر ہے اے خوش جمال

بدگمانی دوسروں کو ہو تو ہے مشکل کمال
وعدہ طفلی کرو پورا نہیں کچھ بھی محال

تم دلہن بنجاؤ میری تم پہ میں قربان ہوں

مبتلای عشق بچپن ہی سے میں اےجان ہوں

میں نے شادی کی نہ اس اُمید پر ای مہ لقا ٭ تو میری ہو کر رہیگی ایک دن ای دلربا

میرے دعوی کا ثبوت ای ناز شاہد ہی خدا ٭ تیری ہی اُلفت میں گذری رات دن صبح و مسا

کہہ نہیں سکتا محبت کیسی میرے دل میں ہے
ہاں یہہ کہہ سکتا ہوں اب خنجر کفِ قاتل میں ہے

نازنیں کے ہاتھ دونوں ہاتھ میں آنکھوں میں آب ٭ تک رہا تھا اُسکے چہرے کو بحالِ اضطراب

تھا کبھی یہہ خوف کیا دیتی ہے وہ اُسکا جواب ٭ اور اُچھلتا تھا کبھی ہاتھوں دلِ خانہ خراب

لب تک اپنی حرفِ مطلب یوں کبھی لایا نہ تھا
زندگی بھر ایسا موقع ہاتھ ہی آیا نہ تھا

سر نگوں ہو کر کہا اُس نے کہ ای عالیگہر ٭ منتظر اُسکی رہونگی اور بھی میں سال بھر

سال بھر! بولا فلک پہ کچھہ ہو کہی ای خوش سیر ٭ سنکے یہہ پھر اُس نے کھینچی ایک آہ پُر اثر

اور کہا میں بندۂ احساں تمھاری ہوں ضرور
اور مناسب ہی تمھاری بات بھی مانوں ضرور

رحمتِ حق کے فرشتے آپ ہیں میرے لیے ٭ میں نہ بھولونگی جو احساں آپنے مجھہ پر کیے

میرے بچے آپ کی لُطفِ عنایت سے جیے ٭ اس سے واقف ہوں جو رتبے آپکو حق نے دیے

حق تعالیٰ دے جزائے خیر اس کی آپ کو
واہ ری شفقت کہ بچے بھول جائیں باپ کو

پر ذرا سمجھو تو اپنے دل میں تم اے مہرباں
دوسرا دل بھی میری پہلو میں کیا ہوگا نہاں
ایک دل تھا دے چکی یک شخص کو یہ نیم جاں
ہاں مری اُلفت کا تم کرتی ہو شاید امتحاں

بھول جاؤں میں اُسے یہ دلنشیں ہوگا تمہیں
میری اُلفت کا بھلا کیونکر یقیں ہوگا تمہیں

آب دیدہ ہو کے تب بولا قلپ عالی تبار
ایک جگ ہو گیا آیا وہ نہ پلٹا اے نگار
جیتے جی چھوڑوں اُسے منشا نہیں یہ نہار
تم بھلا کب تک کروگی اور اُس کا انتظار

قید زلفوں میں تری میرا دلِ رنجور ہے
اور بھی اک سال دیکھو راہ گر منظور ہے

عمر گذری ہے تری اُمید میں اے مہ لقا
دے چکا ہوں دل تجھے بچپن سے میں اے دلربا
ہو گیا مایوس تو بچنا نہیں ممکن مرا
مان لے اُس کو کہ میں ہوں قیدی الفت ترا

غم سے چھٹکارہ نہیں گر تو نہ پہنچے داد کو
کاٹ لونگا اور بھی اک سال کی میعاد کو

یک بہ یک پھر چونک کر یوں ماہ پیکر نے کہا
شام ہوتی ہے چلو گھر وقت ہے اب جھٹ پٹا

سال بھر میں غور کر لو تم تمھارا مدعا | دونوں کچھو کو بلایا آئے دونوں مہ لقا

چھوڑ کر اپنی کو اُس کے گھر فلک رخصت ہوا
ساتھ بچوں کو لیا اور محو کیفیت ہوا

جب کہ موسم پک گیا موسم فلک آیا وہاں | اور دلایا یاد اُس کو عہد تھا جو درمیاں
ہو گیا اک سال جب پوچھا فلک نے لا کہاں | فصل پک کٹ جائے تو کچھ شک نہیں اے جانِ جاں

کر دیا آسان اس مشکل کو تیری چاہ نے
اک مہینہ بعد پھر آنا کہا اُس ماہ نے

چھ مہینے اور ٹالے اس طرح اُس حور نے | کچھ خبر آ کر نہ دی اُس کو قریب و دور نے
ہو گئی پاس اور کہا دل سے یہ اُس مہجور نے | سختیاں میرے لئے جھیلیں فلک مجبور نے

عہد کا ایفا بھی ہو کچھ تو مروت چاہیے
بچپنے سے ہی وہ شیدا پاسِ اُلفت چاہیے

لیکے جمیل ہاتھ میں اک شب بصد رنج و محن | اور بصد الحاح و زاری یوں کہا ای ذوالمنن
عالم اسرار ہی تو سہل کر دے یہ کٹھن | ہے کہاں شوہر مرا زندہ ہے یا زیرِ کفن

اپنی بستر پر دعا یہ کرتے کرتے سو گئی
سو گئی یا فکر کے وادی میں جا کر کھو گئی

خواب میں شوہر بہشتی پاس آیا نظر — گرد میداں دلکشا اور بیچ میں وہ خوش بسر
کار ہائے حسن داؤدی میں وہ زیب شجر — محو اپنی دھن میں افکار جہاں سے بےخبر

آنکھ جب اسکی کھلی صبح شب دیجور تھی
فکر سے خالی تھا دل غم کی گھٹا کافور تھی

ہوگیا اسکو یقیں جنت میں ہے وہ شاد باں — کیوں نہ اپنے عہد کو پورا کرو دل میں خستہ حال
یہ سخن لب پر تھا جو آیا فلپ بھی ناگہاں — سن لیا اس نے کہا بیشک ابھی اے مہرباں

دن مبارک آج کا ہے آج ہی یہ کام ہو
محفل عشرت کا جلسہ صبح سے تا شام ہو

ہوگئی شادی اسیدن بیاہ کی نوبت بجی — اور دلہن کیطرح سے کوٹھی فلپ کی تھی سجی
مال و زر اس نے دیا سائل ہوا جو ملتجی — رابت بازو کی طبیعت میں نہیں کچھ بھی کجی

صادق الاقرار تھی جو کچھ کہا اس نے کیا
حق وفاداری سے دونوں کا ادا اس نے کیا

عیش عشرت سے بسر کرنے لگی وہ مہ جبین — سال ہی بھر میں دیا فرزند حق نے اک حسیں
دل کبھی اسکے بچھڑنے کس کو آتا تھا یقیں — دل ہی دل میں پر رہا کرتی تھی وہ اندوہگیں

خود وہ حیران تھی کلیجہ یوں مسلتا تھا کوئی

چٹکیوں سے بس دلِ نازک کو ملتا تھا کوئی

جا کر تنہائی میں روتی تھی اکثر زار زار — ٹالتی تھی گو مگر آتا نہ تھا دل کو قرار

اُس کا غم مخفی رہے یہ چاہتی تھی برملا — اپنی حالت کی فقط وہ آپ ہی تھی آشنا

دوسروں کو وہ شریک رنج و غم کرتی نہ تھی

دل پھنکا کرتا تھا آہِ سرد بھی بھرتی نہ تھی

یاد آیا بعد مدت کے اُسے اک دل حزیں — اُس پہ کیا گذری ذرا دیکھو تو چلکر ہمنشیں

کامیابی سے سفر کرتا رہا وہ بالیقیں — وہ ہے اور بے آف بسکی کا تموج خشمگیں

ڈوب کر آفت کی موجوں سے نکلتا تھا جہاز

کروٹیں لیتا ہوا دریا میں چلتا تھا جہاز

ہو گئی طے کامیابی سے وہ راہِ پُر خطر — وہ تلاطم اور وہ طوفان وہ موجیں وہ بھنور

موت کا وہ خوف ہر دم غرق ہو جانیکا ڈر — جان میں جان آگئی لنگر ہوا ایک شہر پر

اُس نے کچھ بیع و شری میں سیم و زر پیدا کیا

مال پھر ہر قسم کا بہرِ سفر پیدا کیا

زوجہ و اطفال کا بھی تھا اُسے دلسے خیال — اُنکی خاطر بھی لیا ہر طرح کا پھر اُس نے مال

پھر جہاز آگے بڑھا خوش بہت وہ نیک فال — جا بجا پھرتا جزیروں میں چلا وہ خوش مآل

اُدن کو اکثر پڑ ندو بحری تجارت اُس نے کی
لینے دینے میں بہت پیدا مہارت اُس نے کی

موسم گرما میں دریا کا سفر کرتا رہا -
مال کچھ دیتا رہا اور کچھ نیا بھرتا رہا
خوف سے طوفان کی دل میں سدا ڈرتا رہا
وہ امید و بیم میں جیتا رہا مرتا رہا

گھر کے جانب سرح گیا تھا پھنس گیا طوفان میں
ہوگئی دولت وہ دریا برد سب ایک آن میں

ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا آخر کو وہ سارا جہاز
ساتھ دو شخصوں کے ایک تختہ پہ تھا بچ گیا [illegible]
رات بھر بہتا رہا دل سوز و غم سے تھا گداز
صبح تک ملی کی اسی صورت سے اک راہ فراز

ایک جزیرہ سے لگا تختہ تو کچھ تسکین ہوئی
کچھ امید زیست سے پھر خاطر غمگین ہوئی

وہ جزیرہ تھا تو پُر دولت مگر سنسان تھا
اور سمندر کا سا سنّاٹا وہاں ہر آن تھا
لاکھ ڈھونڈا نام کو بھی تو نہ اک انسان تھا
آب شیریں کی تھی نہر حق یہ احسان تھا

خوان نعمت سے زیادہ پُر ثمر اشجار تھے
آبیاری کیلئے ہر سو رواں انہار تھے

تاڑ کی ٹہنیوں سے تینوں نے بنائی جھونپڑی
سر چھپا لیتے تھے جب دم دھوپ پڑتی تھی کڑی

پیٹ بھرنے کو تھے پھل یا کبھی بوٹی جڑی
دونوں ساتھی چل بسے جب تو ہوئی آفت بڑی

رہ گیا وہ بے وطن در یادِ یارانِ وطن
پھرتی تھی آنکھوں میں اسکی رات دن شانِ وطن

مختلف الوان کے وہاں اڑتی پھرتی تھیں پرند
ہو کا عالم تھا درندے بھی وہاں تھے پُر گزند
مختلف اشکال کے ہر سمت پھرتی تھیں چرند
اور انہیں میں کاٹتا تھا رات دن وہ ہوشمند

دن مہینہ سال گرمی اور جاڑا کٹ گیا
تھا قوی ہیکل مگر تھوڑے دنوں میں لٹ گیا

وہ لبِ ساحل سدا تھا رنج و غم سے ہمکنار
شاید آ نکلے جہاز اس سمت دل کو ہو قرار
بختِ خفتہ جاگ اٹھے شاید یہی تھا انتظار
بے بسی کی موت سے بچ جائے اور ہووے سوار

شومیِ تقدیر سے ہرچند اس کو یاس تھی
پھر بھی کچھ امید تھی امید سے کچھ آس تھی

اک کنارے پر یہ تھا اور ایک پر وہ سیمبر
دونوں جانب چشمِ عبرت سے وہ کرتا تھا نظر
تھا جو مابین ان جزائر کے سمندر پُر خطر
اک نگہ عاشق پہ تھی اور اک نگہ معشوق پر

منتظر یہ بھی تھا اور وہ بھی جہاز آنے کی تھی
گو کہ یہ تدبیر ساری دل کے بہلانے کی تھی

اس طرح پر جب گزرتا ہی گیا ہر ایکسال ۔۔۔ ہو گیا وحشی صفت آخر ناک خوش خصال
لب پہ تھی آہ و فغاں دل میں غم اہل و عیال ۔۔۔ رنج و غم کی شدتیں کرتی تھیں اُسکو پائمال

دیدۂ تر خشک تھے اتنا رولایا تھا اُسے
شغل بیکاری نی دیوانہ بنایا تھا اُسے

سبز پتے کھاتی کھاتی سبز رنگت ہو گئی ۔۔۔ آدمیت سی گیا گزرا یہہ صورت ہو گئی
ستر پوشی کو نہ کپڑا تھا یہہ حالت ہو گئی ۔۔۔ وحشیوں میں رہتے رہتے اُسکو وحشت ہو گئی

یاد جب اہل وطن کی یاد وطن کی آ گئی
خواب غفلت سی ذرا آکر اُسے چونکا گئی

بعد بارہ سال کی ایکدن بصد عجز و نیاز ۔۔۔ گڑگڑا کر وہ دعا کرنے لگا بعد نماز
ہو گئی مقبول وہ دیکھو تو شان چارہ ساز ۔۔۔ آب شیریں کی تفحص میں ہاں تھا اک جہاز

دور بیں کپتان کی امید بر لانے لگی
جبکہ چوٹی ان پہاڑوں کی نظر آنے لگی

دوربیں سی اُس نی دیکھا گر رہی ہی آبشار ۔۔۔ صاف اور شفاف موتی سا وہ آب خوشگوار
دامن کہسار میں سر سبز جس سی مرغزار ۔۔۔ عندلیبوں کے لیے گلہائی رنگیں بیشمار

خوش ہوا یہہ دیکھکر کپتان پلٹا یا جہاز

چاہ میں پانی کی فوراً اسطرف لایا جہاز

بیٹھکر کشتی میں اترا ایک خلاصی وہاں — تاکہ بھر لے اپنی مشکیزہ میں وہ آبِ رواں
جبکہ ساحل سے جزیرہ میں چلا وہ ناگہاں — آگیا اُس کو نظر وہ نیم وحشی نیم جاں

لمبی داڑھی بال سر کے تا کمر آئے ہوئے
رنگ بھورا زرد ناخن ہونٹ مرجھائے ہوئے

سر سے پا تک ایک کپڑا بھی نہیں کیسا لباس — دیکھکر اُس کو ڈرا وہ اور ہوا بیحد ہراس
شکل سے اُسکی نہ سمجھا آدمی وہ بے حواس — اور جو سمجھا بھی تو بن مانس کیا اُسکو قیاس

لیکن اُس نے اُسکو باتیں کرکے حیراں کر دیا
اور اُمیدِ مخلصی نے دلکو شاداں کر دیا

وہ برہنہ تھا تو خلاصی سے شرمایا کیا — ستر پوشی کیلئے پھر اُسنے کچھ کپڑا دیا
شکرِ خالق کا کیا اور تھنکس کہکر لے لیا — پھر بھرا مشکوں میں پانی اور دونوں نے پیا

آبِ شیریں لیکے پہونچے سب کو حیرت ہوگئی
اک تماشہ اُن سبھوں کو اُس کی صورت ہوگئی

رحم کھاکر سب نے اُسکے حال پر جب کی نظر — ابتدا سے اُسنے حال اپنا کہا المختصر
سب نے محتاج سے بھی کر دیا پھر بہرہ ور — بےکرایہ ساتھ ان سب کے لگا کرنے سفر

ہر کہ و مہ نے بہر صورت بہت امداد کی
اپنے امکاں بھر ہر اک نے خاطر ناشاد کی

تھا جو دریا میں سکوں اور کچھ ہوا میں اعتدال
یہہ مسافر ہر گھڑی تھا غرق دریائے خیال
تھا سلامت گو جہاز اور بے خطر تھی اسکی چال
ہو گیا اسکو وطن کی دھن میں وہ بستہ وبال

راتدن بچونکی اُس کے سامنے تصویر تھی
دل کے آئینہ میں اینی کی سدا تصویر تھی

کہتا تھا بچے بڑے ہو کر ہوئے ہونگے جواں
میری اینی تو نہ بھولی ہوگی مجھکو بدگماں
اک قرن گذرا نہ ہوگا یاد بھی یہہ ہم جہاں
روز و شب فرقت میں کرتی ہوگی وہ آہ و فغاں

بدگمانی اسکی جانب ہو تو یہہ بیکار ہے
زندگی کا پر مری اسکو یقیں دشوار ہے

گاہ کہتا تھا کہ زندہ بھی وہ ہونگے ای خدا
کسطرح جینا ہی ممکن کچھ سہارا ہی نہ تھا
پاس دولت تھی نہ ثروت کیا ہوا ہوگا بھلا
دستگیری کون کرتا انکی اور لطف و عطا

کون ہو ہمدرد ناداری کا گر آزار ہو
کون اسکا چارہ گر ہو جو سدا بیمار ہو

چل بسے ہونگے جہاں سے میرے سب اہل و عیال
اب کہاں میں اور کہاں وہ خام ہے سارا خیال

ایک تو تھا شیر خوار اور دوسری تھی خورد سال
پرورش کرتی بھلا کسطرح اپنی خستہ حال

کوئی بھی جسکا خبر گیر و معاون ہی نہیں
آجتک زندہ رہی ہوں وہ یہہ ممکن ہی نہیں

پھر یہہ کہتا تھا دعا کرتی ہوں گر اہل وطن
اور آنرو قتہ بھی پہونچا تا رہا ہو زود امن
کیا عجب زندہ ہوں وہ لب بستہ ہو انکا چمن
اس اُمید و بیم میں رہتا تھا پھر مشغول زن

ساتھیو تھی کچھ تسلی کارگر ہوتی نہ تھی
جمع ہوتی گرد پر اُسکو خبر ہوتی نہ تھی

ساحل انگلینڈ پر پہونچا وہ آخر کو جہاز
صبح کا تارہ عیاں تھا اور تھا وقت نماز
اسکی ہمدردی ہوئی وہاں بھی بحکم کارساز
لیکے معتد بہ رقم رخصت ہوا وہ پاکباز

جس وطن سے ہو چکی تھی یاس اُسکو پا گیا
منزل مقصود پر اپنی وہ آخر آ گیا

ساتھیو تسمت لگے پھر راہی ہوا وہ نیم جاں
ڈھونڈتا تھا اک مکاں کسکا مکاں اپنا مکاں
آکے دیکھا اُس محلہ میں عجب اُس نے سماں
گھر جہاں تھا ڈھیر مٹی کا نظر آیا وہاں

ہو گئی تھی شام جا بیٹھا وہ اُس انبار پر
پھٹ پڑا تھا آسماں اُس بیکس و ناچار پر

یہ وہی جا تھی جہاں گزری تو اسکو سات سال
وا پہلے کو دیتے تھے حق نے بچے خوش جمال
غم جدائی کا نہ تھا ہر وقت ہنستا تھا نہال
کٹتی تھی پر لطف اسکی زندگی خوش تھا کمال

بچے پالے کھیلتے رہتے تھے گھر آباد تھا
سب پہلو میں بی بی تھی ہمیشہ شاد تھا

یہ وہی جا ہے کہ سناٹا ہے اور سنسان ہے
اب نہ بی بی ہے نہ بچے ہیں بہت حیران ہے
تھی نہ آبادی کبھی اسطرح سے ویران ہے
رنج و غم کا سامنا اور ایک اسکی جان ہے

ایک چشمہ تھا وہیں ایک دوست رہتا تھا جہاں
دل میں سوچا جا کے پوچھوں تو کہ اب وہ ہے کہاں

وہاں گیا پوچھا ہوا معلوم وہ تو چل بسا
وہ بھی اسکو جانتی تھی یہ بھی اسکو جانتا
مریم اسکی زوجہ تھی موجود اسی سے یہ ملا
اسکی حالت دیکھکر اسنے نہ پہچانا ذرا

بال تھے اسکے سپید اور خم کمر میں آ گیا
ہو گیا تھا زرد چہرہ غم سے تھا گھلا گیا

مصلحت سے اسنے بھی اس سے نہ کچھ مطلق کہا
باتوں باتوں میں ہوا دریافت سب اور غم سہا
اجنبی کیطرح سے دو تین دن مہماں رہا
اسکے گھر کا حال وہ کہنے لگی آنسو بہا

اسکے بچوں پر غلب کی دلنوازی بھی کہی

اور اپنی کی سب اُسنے پاکبازی بھی کہی

اپنے شوہر کیلئے ہونا وہ اُس کا بیقرار
اُسکا وہ برسوں تڑپنا اور اُسکا انتظار

وہ غم فرقت میں رہنا خستہ حال و سوگوار
چھوٹی بچے کا وہ مرنا اور رونا زار زار

عقد کا پیغام دینا وہ فلپ کا کہدیا
جسکے سی شادی کا پھر دونو نکے ہونا کہدیا

سنکے یہ ساری کہانی ہو گیا مبہوت سا
سلب قوت ہو گئی پیغام آیا موت کا

دلمیں آیا دیکھ لوں میں اک نظر چلکر ذرا
راز سربستہ رکھونگا اپنا سارا ماجرا

ٹھان کر یہ وہ فلپ کے گھر روانہ ہو گیا
پہلے کیا ساماں تھا اب کیا زمانہ ہو گیا

متصل تھا اک درخت اُسپر چڑھا یہ خستہ جاں
بیٹھا پوشیدہ وہاں پتوں پہ ستایا نہاں

اسکی اینی ہو چکی تھی اور ایک بچی کی ماں
گود میں اُسکو لئے کرسی پہ تھی جلوہ کناں

دیکھا بچی کو کیا پیار اُس بُت مغرور نے
پیار کرکے دیدیا اک زیں کو اُس حور نے

اپنے بچوں پر بھی ناگہ پڑ گئی اُس کی نظر
اُسکی دختر ہاں کی صورت تھی بعینہ سربسر

یاد آیا بس شباب اینی کا اسکو دیکھکر
تھی وہ ایک تصویر اینی کی جوانی کی مگر

دیکھا پھر فرزند کو خوش رو ہے خوش تقریر ہے
لوگ کہتے تھے اناک آرڈلن کی یہ تصویر ہے

آیا اتنے میں فلپ بیٹھا وہ اینی کے قریں
گرمجوشی سے دبایا اُس نے دست نازنیں

پیار اور اخلاص کی کرتی تھی باتیں مہ جبیں
باغ میں ٹہلا کیے پھر اٹھ کے دونوں ہمنشیں

دیکھکر یہ رنگ بس غیرت سے وہ کٹنے لگا
آگیا موہنہ کو کلیجہ غم سے دل پھٹنے لگا

حزن و غم سے پھر کہا اُسنے کہ اے میری خدا
اُس جزیرہ ہی میں مرجاتا اگر تو خوب تھا

کیوں یہاں آیا میں ذی تجھ سے کی تھی التجا
اس غم و رنج و الم میں خود ہوا میں مبتلا

تھا وہاں مجھکو بہت کم اپنی حالت کا الم
انکی تنہائی کا غم تھا انکی فرقت کا الم

اب وہیں پہونچا دے مجھکو جلد میرے کبریا
زندگی کا لطف اس دنیا میں کیا مجھکو رہا

موت گویا بھیجدے یہ سب سے بہتر ہے دوا
پاس اپنے ہی بلا لے جلد مجھکو اے خدا

یک بہ یک وہ خوش ہوا گویا کہ اچھا ہوگیا
تین دن زندہ رہیگا دل کو القا ہوگیا

پھر وہ مریم پاس آیا اور کہا اے مہرباں
راز سربستہ میں اک وعدہ پہ کرتا ہوں عیاں

میری بھتیجی نہ کرنا تم کسی سے کچھ بیاں
شوق سے کہنا ہو دنیا میں جب نہ ہم یہاں

الغرض جب کی تو اس سے عہد و پیماں ہوگیا
کہدیا پھر حال ظاہر پر انتقال ہوگیا

اس نے حیرت سے کہا مجھکو نہیں آتا یقیں
وہ ضعیف العمر تم سا ہو سکے ممکن نہیں
کسطرح باور کروں تم ہو اناکیل حزیں
بال سب سر کے سپید اور خم کمر میں بھی نہیں

وہ قوی ہیکل ضعیف و ناتواں ہرگز نہ تھا
اسطرح بڈھا ہو وہ ایسا جواں ہرگز نہ تھا

رو کے وہ بولا کیا اس کا نہ کچھ تم نے خیال
میں وہی ہوں آہ ای مریم برب ذی الجلال
کیا مصیبت مجھ پہ گذری یوں ہوا یہہ میرا حال
کچھ ضروری بات کہنی ہے سنو جی ہے بدحال

رو کے بولی پاس بچوں کے تمھارے جاویں
تم اجازت دو ابھی جاکر انھیں لے آویں

یاد رکھو تم قسم کو آہ اے مریم یہہ کہا
ایک لٹ بالوں کی سینہ سے نکالی اور کہا
بعد مرجانے کے میرے گر کہو تو ہے بجا
تم دکھانا اسکو اپنی کو یہہ کہنا اک ذرا

ہر مصیبت میں تمھاری یہہ نشانی ساتھ تھی
آفتیں تھیں جان پر لیکن یہہ جانکی ساتھ تھی

یہ نشانی دیکھکر ہو جائیگا سب پر عیاں — میری الفت ہی رہی ور رہوں ہی میں نیم جاں
اسکو دنیا بھر مری بیٹی کو تم اے مہرباں — سب کو بہتر ہے زمانہ میں محبت کا نشاں

میری بیٹی قبر میں رکھ دیگی اپنے ہاتھ سے
حشر تک پھر یہہ جُدا ہوگی نہ میری ساتھ سے

تیسری شب مر گیا آخر اناکِ دل حزیں — جا کے مریم نے کیا اعلان اسکا ہر کہیں
جب سُنا سب نے یہہ قصہ دلخراش و دلنشیں — لاش پر آئے جگر تھامے ہوے اندوہگیں

ختم کر یا در کہانی خانماں برباد کی
دھوم سے میّت اُٹھی اس عاشقِ ناشاد کی

قرض

قرض بھی دنیا میں ہے یک بد بلا — کون کہتا ہے بھلا اُس کو بھلا
اُس کا چسکا پڑ گیا جس شخص کو — اس بُرائی کو وہ کیا سمجھا بھلا
قرض لینے کی جو عادت پڑ گیی — اپنے ہاتھوں سے پھنسایا خود گلا
کچھ نہ آیا ہاتھ جز شرمندگی — گو کفِ افسوس پھر برسوں ملا
لے لیا جو کچھ ملا بے دغدغہ — دیدیا سودی تمسک بر ملا
بند کر لی آنکھ لیتے ہی گئے — کوئی سا ہو مل گیا جب منچلا

مال موروثی کی کچھ سمجھے نہ قدر — قدر کیا ہو جب کہ بے محنت ملا

ہنڈیاں لکھ لکھ کے قرضہ لے لیا — پھر تو بگٹٹ سود کا گھوڑا چلا

رات دن بڑھتا رہا آندھی کی طرح — باد صرصر ساتھ کیا دیگی بھلا

قرض میں گو بندھ گیا ہو بال بال — اور تقاضہ سے ہمیشہ دل جلا

دل نئی فیشن پہ بس لہلوٹ ہے — گھر کا فرنیچر ہو گو اچھا بھلا

آنکھ میں کھپتا نہیں کوئی لباس — گر نہو فیشن کے سانچے میں ڈھلا

ہو تو ہو ٹھنڈا نہ لب تک آسکا — برف میں جب تک نہو ساغر جھلا

فیشن ایبل لکڑیاں لندن کی لیں — رہن رکھی تیغ بیچا پر تلا

گھر میں ہیں گو بگھیاں ہر قسم کی — شوق موٹر کا نہ ٹالے سے ٹلا

گھر کا زیور بیچڈالا بے دریغ — تاپنے کے واسطے سب گھر جلا

دل میں ٹھنڈک پڑ گئی چین آگیا — جب ڈریور تیز موٹر لے چلا

کان پر جوں بھی نہ رینگی آپ کے — غیر کا ان حرکتوں سے دل ملا

کون ہے جو قرض لے کر خوش رہا — قرض کا لینا بھلا کسکو پھلا

حیف ہے کس وقت میں آنکھیں کھلیں — قرضخواہوں نے دبایا جب گلا

نالشیں ہونے لگیں گھبرا گئے
نام سے وارنٹ کے تھرا گئے

ہو گئے دعووں پہ دعوے بیشمار — لگ گئی سمن پہ سمن کی قطار
خانداں سے نام تھا مشہور خلق — اب عدالت میں لگی ہونے پکار
پھر رہے ہیں اب تو بغلیں جھانکتے — دل ہے سینہ میں نہایت بیقرار
بات بھی کوئی نہیں اب پوچھتا۔ — چند دن پہلے جسے رہتے تھے یار
دوستو نکو روز دیتے تھے ڈنر — دعدے ہوتے تھے پئے سیر و شکار
جمگھٹے باغوں میں تھے احباب کے — ناچ گانے میں کٹے لیل و نہار
تھے درختوں میں کہیں جھولے پڑے — اور بے فکری سے گاتے تھے ملار
تھاپ طبلہ پر پڑا کرتی تھی روز — قصر میں ہر روز بجتا تھا ستار
ہار مونیم ارغنوں فونوگراف — دل کے بہلانے کو تھے ساماں ہزار
جب خزاں آئی ہوے ناساز ساز — ختم آخر ہو گئی فصل بہار
تھی بٹیروں کی کہیں پالی جھی — جنگجو مرغوں کی تھی یک سو قطار
روز اڑاتے تھے کبوتر شام تک — تھے کبوتر باز نوکر بے شمار
بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق — بے بدے میداں نہ آتا تھا قرار
گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر — رہ گیا تھا قرض ہی پر بس مدار
تھا نہ لینے کے سوا دینے کا نام — اک خزانہ غیب کا سمجھے ادھار

شاپ والوں نے بھی دعوی کر دیے
تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد
رنج و غم کا ہر گھڑی ہے سامنا
قید ہو جانے کی نوبت آگئی
کون ہو ڈھارس جو دے اس وقت میں

قرقیاں آنے لگیں انجام کار
پھر بھی قرضہ رہ گیا ہے بیشمار
اپنی حالت پر ہوئے آپ اشکبار
فائدہ کیا اب ہوئے گر شرمسار
قرض خواہوں کا ہے نرغہ بیشمار

روز بد آخر دکھایا قرض نے
قعر ذلت میں گرایا قرض نے

قرض ہی ہے ذلت و خواری کا گھر
الحفیظ اے قرض تجھ سے الحفیظ
قرض ہے مقراض الفت لا کلام
راستہ کو قرض کے کترا کے چل
قرض کا انجام ہے شرمندگی
آج قرضہ سے چھڑا ہی لیا
تاہم دھرتے کون تجھکو آئے گا
تو دوشالہ اوڑھ لے قرضہ سہی آج

قرض کی راہیں ہیں پر خوف و خطر
الحذر اے قرض تجھ سے الحذر
قرض ہی تو قرض سے ہر وقت ڈر
قرض کی جادہ میں ہیں لاکھوں خطر
قرض ہے تخم اور ندامت ہے ثمر
کل یہی قرضہ ہے اور خون جگر
پاؤں پھیلا اپنی چادر میں اگر
کل تو ہی ہوگا اور کمل دوش پر

ٹھوکریں کھاتا پھریگا کو بکو
قرض ملتی ہو اگر لیلی تجھے
اپنے آپے سے گذر جائیگا تو
پھر کہیں کا تجھکو رکھیگا نہ قرض
اپنے سر پہ ہاتھ رکھکر روئیگا
قرض شیریں دیکھنے میں ہو تو ہو
قرض کو جان آتش صد خانماں
کس نظر سے دیکھتا ہے قرض خواہ
جب تقاضہ قرض کا تجھ سے کیا
قرض کی لعنت کو تو پھر کر نہ دیکھ
کر قناعت قرض سے رہ دست کش
دیکھ اے غافل بہت پچھلائے گا

بھیک منگواوے گا قرضہ در بدر
تو نہ مجنوں بن خدا کو مانکر
قرض نے مفتوں کیا تجھکو اگر
دین و دنیا سے رہیگا بے خبر
رہن ہو جائیگی جب دستار سر
تو سر فرما دے ادہر ادہر
ہے تماشہ دیکھنا گھر پھونک کر
منصفی سے اپنے دل میں غور کر
سچ بتا گذری جو تیرے قلب پر
دے خدا نان جویں تو شکر کر
ہر طرح ہو جائے گی آخر بسر
قرض گر لیتا رہا تو بے خطر

قرض سے اپنے تئیں آزاد رکھ
دیکھ یاور کی نصیحت یاد رکھ

تقابل اخلاق و عشق

اخلاق و عشق دونوں ہیں رنگ شاعری کے
گستاخ ایک انمیں اور دوسرا مہذب
ہی ایک سوز دل سی مانند شعلہ سرکش
دونوں کو ہی یہی کد دونوں کو ہی یہہ کاوش
بولا یہہ عشق آخر سن اے وفا کے پتلے
شاہد ہو یا کہ زاہد راہب ہو یا کہ تائب
اقلیم پردلاں کے میں حکمراں رہونگا
میں جسطرح کہونگا کرنا پڑیگا دیا
میں جب کلام میں ہوں رنگین و دلنشیں ہی
عشاق ہی نہیں ہے میری شناگر نہیں
رکھتے ہیں درد میرا عشاق دل میں اپنے
یہہ عندلیب خوش گو کرتی ہے مدح کسکی
اگر میری تذکرہ میں لذت نہیں ہی حاصل

دونو میں بحث ہی یہہ ہی کون کس سی بہتر
اک رند نوجوان اک پیر خجستہ منظر
اور اک سر تواضع رکھی ہوی زمین پر
ثابت ہوں خلق میں ہم اک دوسری سی بہتر
دل کو لبھاتا ہی ایسا جسمیں نہیں مرا گھر
ہر ایک پوجتا ہی میرے ہی در کا پتھر
بندہ مرا رہیگا سلطان ہو یا گدا گر
درویش بے نوا ہو یا کوئی صاحب زر
گلدستہ سخن میں میری ہیں سب گل تر
میرا ہی تذکرہ ہی معشوقوں کی زباں پر
پڑھتے ہیں میرا کلمہ معشوق ماہ پیکر
کیوں محو ہو رہی ہی سنئیے تو کان دہر کر
کیوں زہر عشق آخر پیتے ہیں لوگ گھر گھر

اس ملکِ عاشقی کی سلطاں بنی ہوئی ہیں
خوبی کلام میں ہی میری سبب سی ورنہ
نظمیں ہزار ہا ہیں جنمیں ہی میری صنعت
سب شاعران نامی رنگیں بیان و خوش گو
اخلاق کی کہا تب سُن مجھسے وصف اپنا
آوارہ ہوگئی ہیں تیرے سبب سی لاکھوں
پی پی کے خوں جگر کا عشاق مرگئے ہیں
دیکھا بھی گر کسی نے صبح قضا کو دیکھا
کیسے جوان رعنا جو تھے جہانمیں یکتا
میرا تو اس جہانمیں برباد کرنا ہی تو ہی
بولا یہ عشق ہنسکر استاد ہاتھ لانا
بولا یہ خلق ہنسکر او سادہ لوح و جاہل
ابلیس کی طرح سی پھندے میں گر پھنسایا
میری مقابلہ میں تو کیا ٹھہر سکے گا۔
تو کاروان ظلمت میں منزل ہدایت

فرہاد و قیس و وامق میرا ہی جام پیکر
بڑھیوں کی سی نصیحت بے لطف ہی سراسر
دیوان بھری ہوئی ہیں میری ثنا میں یکسر
میری ہی مدح خواں تھی اور لکھ گئی ہیں دفتر
او بے حیا و نادان او کافر و فسوں گر
تاراج ہوگئی ہیں اکثر بھری پُری گھر
کھا کھا کے زہر سوئے معشوق ماہ پیکر
کاٹی بھی رات ساری تو کروٹیں بدلکر
دنیا سے اُٹھ گئی ہیں مُردی کی شکل بنکر
قابو میں دل نہ رکھا تیرا چلا جو منتر
لیتے اب تو مانا کیسا ہوئیں فسوں گر
ہے تجھکو فخر اُسپر جو عیب ہے سراسر
نازاں ہی اس پہ ناداں لاحول پڑھ حذر کر
تجھ میں بناوٹیں ہیں مجھمیں ہے رنگ تیجر
تو غول میں خضر ہوں تو راہزن ہیں رہبر

میں بد کو نیک کر دوں تو نیک کو کروں بد
میں ہوں سبیل عرفاں تو راہ فتنہ و شر

میری ہی دم سے ساری خوبی کلام میں ہے
ہے لفظ لفظ میرا تیغ بیاں کا جوہر

ابتر پڑے ہوئے تھے اوراق نظم سارے
شیرازۂ سخن کو باندھا ہی میں نے آکر

میرا لوائے شاہی قایم سدا رہے گا
ہو آسماں کو گردش یا ہو زمیں کو چکر

لپٹی ہوئی ہے دولت میرے قدم سے بیشک
پیرو رہے جو میرا بے زر بھی ہو تو انگر

اس بحر شاعری میں طوفاں بپا ہوا تھا
کشتی نظم کا میں آخر بنا ہوں لنگر

ہوں نہر عشق میں بھی تو غور کر جو نادان
چمکا دیا ہے تجھکو منظر مرا دکھا کر

جس رنگ شاعری میں شامل مجھے کیا ہے
وہ نظم ہو گئی ہے سرمایۂ سخنور

یورپ کے شاعروں کی میری ہی قدردانی
ملٹن ہوں یا کہ ٹینیسن ورجل ہو یا کہ ہومر

سودا و میر و غالب ناسخ اسیر آتش
اور مصحفی و قایم سب ہیں میرے ثناگر

صائب ہوں یا کہ سعدی حافظ ہو یا کہ عرفی
فردوسی اور جامی خاقانی اور سنجر

ہر اک ہی مجھپہ مائل ہر اک ہے میرا طالب
ہر اک ہے میرا خواہاں ان سب کا ہوں میں یاور

خیر الامور اوسطہا

بہترین شی زمانہ میں ہے یا در اعتدال
اسکی خوبی میں کبھی پایا نہ ہمنے کچھ زوال

ہے یہ فیصل کہا

ہوں تو ہوں وصلت بھی قابل تحسین مگر — اپنی حد سے جب تجاوز کر گئے ہیں پر خطر

شک نہیں اسمیں ذرا

یہہ عناصر زیست کا انساں کی ہیں جسپہ مدار — وہ یہی ہیں چار یعنی خاک و باد و آب و نار

اور نہیں اسکے سوا

معتدل ہوئی تھی انساں کی خلقت منحصر — جسکی آمد کی تھے سب جن و ملائک منتظر

سمجھے تھے شانِ خدا

اعتدال انگیز جب رنگِ عناصر ہو گیا — اور ہیولی صورتِ انساں پہ ظاہر ہو گیا

اسکا پھر کیا پوچھنا

اشرفِ کونین انساں ہی نہیں اسمیں کلام — دنگ ہیں جس سے فرشتے یہہ وہ کر جاتا ہے کام

لائق مدح و ثنا

توڑ ہی لاتے ہیں تارے جا کے یہہ افلاک کے — نرم کر دیتے ہیں آہن کو یہہ پتلے خاک کے

ہے عجب ذہن رسا

کھینچ لیتے ہیں طنابیں یہہ زمیں کی سر بسر — انکے ہاتھوں میں سمٹ آتی ہیں پہاڑوں بحر و بر

جیسے کاہ و کہربا

وہ سمندر جن کا ملتا تھا نہ ہرگز اور چھور — وہ بیاباں جنکی پیمائش میں چلتا تھا نہ زور

ناپ ڈالا جا بجا

خاک ہی ہے جس سے بنتے ہیں عمارات بلند
جنمیں رہنے سے پہونچ سکتا نہیں کوئی گزند

ابر ہو یا ہو ہوا

پھر یہی وہ خاک ہے جب اسکی کثرت ہوگئی
قافلے دب دب گئے گھر یا قیامت ہوگئی

ہوگیا محشر بپا

آگئی آندھی میں آفت جب ہوا طوفانِ خاک
خاک میں اور راکھ میں دب کر ہوا عالم ہلاک

آگئی سر پر قضا

اس ہوا سے زیست ہر ذی روح کی ہے لاکلام
اور اسیکے دم سے ہے دورانِ خون کا انتظام

اور چلنا سانس کا

ابر کو کہسار سے یاں کھینچ لاتی ہے ہوا
اور تماشہ رحمتِ حق کا دکھاتی ہے ہوا

ہوتی ہے نشو و نما

ابر کی ٹکڑوں کو اک جا جمع کرتی ہے یہی
دشت و در میں لیکے ساتھ انکو گزرتی ہے یہی

ہوتا ہے جنگل ہرا

ہے ہوا کی وجہ سے آپس میں یہ گفت و شنید
ورنہ تصویرِ خیالی بنکے رہتے بہر دید

حرف ہوتا بے صدا

شل گونگوں کے اشارہ کر کی جیتے ہم اگر ۔ ہر جگہ شہر خموشاں ہی ہمیں آتا نظر
ہوتی پھر وحشت سوا

ہے ہوا کی فیض سی سرسبز ہر اک کاشتکار ۔ اس سی کھیتوں میں طراوت اس سی باغوں میں بہار
اس سے صحرا میں فضا

ہیں ہوا میں خوبیاں لیکن ہی جبتک اعتدال ۔ جب بڑھی حد سی تو آجاتا ہی ہر شئی میں زوال
ہے نمونہ قہر کا

جب یہ آندھی ہی چلی آدمی پھر قیامت خیز ہی ۔ اسکی آمد کی صدا بھی کیسی ہول انگیز ہی
اور کیسی جاں گزا

وہ شجر تھیں چوٹیاں جنکی نہایت ہی بلند ۔ وہ محل جو عرش سی کرتی تھی باتیں بے گزند
تھا فلک سے سر ملا

بیخ و بن سی اسطرح اکھڑی نہیں انکا نشاں ۔ گہری گہری غار اب انکی جگہ پر ہیں عیاں
اور ہیں عبرت فزا

بحر میں آجائے تو طوفان یہ برپا کرے ۔ ایک جھونکے میں جہازوں کو تہ و بالا کرے
مضطرب ہو ناخدا

آب بھی ہے ایک عنصر جو کہ ہے اصل حیات ۔ اسکا ہی محتاج ہر ذی روح ساری کائنات

ہے یہی آبِ بقا

یہہ نہو تو زندگی انسان کی دشوار ہے
کشت و پالیز و گلستاں کیلیے درکار ہے

جھوم کر آئی گھٹا

یہہ نہو تو پھر کسی گوہر کی آبرو کچھ بھی نہیں
یہہ نہو تو پھر گلونمیں رنگ و بو کچھ بھی نہیں

ہے بہارِ جانفزا

یہہ نہو تو تیغ پر سادنت کی بیکار ہے
یہہ نہو تو منہ شریفونکو دکھانا عار ہے

ہے عجب اسمیں صفا

یہہ نہو تو آئینہ میں شکل کیا آئے نظر
یہہ نہو تو چشمۂ خور بھی ہے مانند حجر

اسمیں ایسی ہے جلا

یہہ نہو تو دامنِ کہسار کیا شاداب ہو
یہہ نہو گر تو جڑی بوٹی ہر ایک نایاب ہو

ہاتھ کیا آئے دوا

ہے یہہ رحمت کبریا کی جبتلک ہی حد تک
اپنی حد سے بڑھ گیا تو پھر ہے زحمت و روبال

بلکہ ہے قہرِ خدا

اسکی کثرت سے تلاطم پڑ گیا طوفاں ہوا
اسکی شدت سے ہر ایک انگشت بدنداں ہوا

اور کفِ حیرت ملا

دشت سے بستی میں آیا اور قیامت آ گئی　　جسطرف کو رخ کیا بس ایک آفت آ گئی

کر دیا سب کو فنا

یاد رکھینگے قیامت تک اسے کن کن خاص و عام　　تیرہ سو چھبیس ہجری غرۂ ماہِ صیام

اور دن تھا پیر کا

کر دیا دریا کو مالا مال لوٹا اسنے شہر　　کچھ برس پہلے اسی پانی نے کیا ڈہایا تھا قہر

اک قیامت تھی بپا

ایک عنصر نار سے ظاہر ہیں جسکی خوبیاں　　جو کہ ہر اک جسم خشک و تر میں ہے ہستی نہاں

ہے عجب شانِ خدا

پخت پز کیونکر غذا کی ہو نہ ہو آتش اگر　　خوں نہیں ذی روح کا اسکا نہ ہوتا گر اثر

کب رگوں میں دوڑتا

کارخانوں میں اسی آتش سے سب چلتا ہے کام　　سب کلیں بیکار ہوں اسکا نہ ہو گر انتظام

ہے یہی تو جا بجا

ہے اسی کا سب کرشمہ ریل ہو یا ہو جہاز　　اور تجارت کو اسی نے کیا دیا ہے امتیاز

اس کا جھنڈا گڑ گیا

ہو گئی ہیں نازنیں سیکڑوں اسمیں ستی　　اسکے آگے سجدہ میں جھکتی ہیں لاکھوں کی پتی

اُٹھتے ہیں دستِ دُعا

ہے زراعت جسکی باعث وہ حرارت ہی تو ہے — نازو نعمت جسکی باعث وہ حرارت ہی تو ہے

فیض جاری ہے سدا

ہے فواکہ اور میوونکو اسی سے یہہ نمود — ہیں گلونکی بوٹیونکی پتیونکی ہست و بود

سب کی اس سے ہے بقا

حد سے بڑھکر پھر کسی کی آشنا ہوتی نہیں — غیظ میں یہہ دوست کی بھی آشنا ہوتی نہیں

کھینچ کر تیغِ جفا

جنگلونکو اور شہرونکو یہہ کرتی ہی تباہ — بھاگ جانیکی بھی انسانکو نہیں دیتی ہے راہ

صورتِ پیکِ قضا

الغرض دنیا میں بہتر ہی ہر اک شئی معتدل — جو ہی اوسط اُسکی خوبی کا ہی قائل سب کا دل

ہے یہہ قولِ انبیا

چال چلتا ہی وسط کی جو ہی مرد ہوشیار — اُسکے خوشحالی میں ہوتی ہیں بسر لیل و نہار

خوش وہ رہتا ہی سدا

کوئی حد بخل تک پہونچا تو وہ منحوس ہے — لوگ کہتے ہیں اُسی کو کہ منحوس مکھی چوس ہے

نام لینا ناروا

ہو عبادت یا ریاضت یا سخاوت یا کہ حلم — حد اوسط تک سنا سب جانتے ہیں اہل علم

اُس سے بڑھنا ہی خطا

ہو جو موسم معتدل ہر طرح کا آرام ہے — کچھ تجاوز کر گیا تو موجب آلام ہے

جینا دوبھر ہو گیا

خوبیاں ہیں خوبیاں لیکن بحد اعتدال — اپنی حد سے جب بڑھیں پھر آگیا اُن پر زوال

سے ہے ساجب تل

———

شکایت نسواں

کہا اک روز اپنی بیوی سے — ایک مرد سفینہ جاہل نے

عورتوں کے لئے تو ہے آرام — ہیں تو مردوں کے واسطے آلام

گھر میں لائیں کما کے محنت سے — کس عرق ریزی و مشقت سے

فکر اُنکو یہی ہے صبح و مسا — بیوی بچوں کا ہو نہ دل میلا

گھر میں فاقہ کہیں نہ آجائے — چار سو دوڑ دھوپ کرلائے

ہڈیاں چور ہیں مشقت سے — گزری جاتے ہیں اذیت سے

دھوپ ہو یا کہ کثرتِ باراں — گرم و سرد زمانہ ہے یکساں

فکر سے اپنی کام اُنکو ہے
خواب میں بھی یہی ہی فکر انہیں
اسطرح راتدن گذرتے ہیں
یہہ نئی انپہ کیا مصیبت ہے
ہوش بھی کچھ نہیں سنبھالا تھا
بیاہ دیجانے لگے خفا ہونے
کچھ خطا کی نہ کچھ قصور کیا
سب سے بڑھکر بڑا یہہ جبر ہوا
کبھی وہ خر بنے کبھی اُلّو
یوں ہی مرکھپ کی پائی کچھ تعلیم
نوکری کی تلاش ہمکو تھی
بچپنے میں جو ہم ستاتے تھے
دیکھو بی شادی کو بلا لینگے
ابھی بھولی بھی تھے نہ یہہ باتیں
ہر طرف سے پیام آنے لگے

دم کا لینا حرام اُنکو ہے
جانکنی میں یہی ہی ذکر انہیں
گاہ جیتے ہیں گاہ مرتے ہیں
بچپنے ہی سے ایک آفت ہے
کہ بزرگوں سے اپنے پالا تھا
ہر طرح پر لگی جفا ہونے
جو اُٹھا اُسنے ہم کو مار لیا
رکھدیا ہم پہ ایک کشتہ مُلّا
مارے تسمے اُنکے کر دیا اُلّو
فکر روزی کو جھک کی تسلیم
کر نظر آگئیں جو بی شادی
تو بڑے بوڑھے سب ڈراتے تھے
اُنکی صورت تمھیں دکھا دینگے
کہ لگیں ہونے بیاہ کی گھاتیں
سب ہمارا گلا پھنسانے لگے

تھی جو ماں باپ کی خوشی منظور
نام کو ہم بھی ہو گئے مسرور

تھی جو منظور خانہ آبادی
ہوئی چٹ پٹ لگنی اور پٹ شادی

پھر تو ہر طرح کی پڑی افکار
ہو گئے دور ہم سے صبر و قرار

پھر جو گزری وہ تم سے کیا ہے نہاں
کیا ہی سود اب عیاں کا بیاں

بال بچوں کی فکر ہے ہر دم
ایک شادی ہی اور ہزاروں غم

الغرض بچپنے سے تا اندم
کشمکش میں رہا کیے پیہم

عورتوں کو بھلا کہاں یہ فکر
ہو تو کیا انکی زندگی کا ذکر

ہو غریبی و یا امیری ہو
بادشاہی ہو یا فقیری ہو

مرد ہر طرح سے کما لینگے
جو ملیگا وہ گھر میں لائینگے

کھائیے مرد انکی ذات کو شاباش
ہے کہاں عورتوں کو فکر معاش

انکو تعلیم بھی ضرور نہیں
نہ پڑھی ہوں تو کچھ قصور نہیں

پھر نہ یارائے ضبط اسکو رہا
اور متانت سے مسکرا کے کہا

سوچو سمجھو ذرا خدا سے ڈرو
یوں تو یکطرفہ فیصلہ نہ کرو

سُن تو لو عورتوں کا پہلی جواب
پھر کرو اختیار راہ ثواب

گھر کا کھڑاگ سب انھیں پر ہے
لاکھ سودا ہے اور اک سر ہے

خانہ داری سے مرد ہیں عاری
سہل سمجھے ہیں آپ گھرداری

چین کب شکوہ سے جبکہ انکو نہیں
کون وہ فکر ہے جو انکو نہیں

خوب سمجھے ہیں آپ ہی شاباش
کہ نہیں عورتونکو فکر معاش

وہ کہاں تمکو ہے جو انکو ہے فکر
کیا بھلا ان مصیبتونکا ذکر

سیکڑوں بیوگان در ماندہ
سیکڑوں بیکسان در ماندہ

سیکڑوں وہ جو تھیں امیر کبھی
سیکڑوں وہ نہ تھیں فقیر کبھی

سیکڑوں جنکو بادشاہت تھی
سیکڑوں جنکے گھر وزارت تھی

سیکڑوں تھیں کبھی جو مالا مال
سیکڑوں جنکی لونڈیاں خوشحال

سیکڑوں جنکے گھر امارت تھی
سیکڑوں جنکے گھر تجارت تھی

نہ جواہر کی تھی نہ زر کی کمی
سیم و زر کیا نہ تھی گہر کی کمی

گردش چرخ سے ہوئیں مجبور
بھیک کا مانگنا کیا منظور

کی کہیں پر کسی نے مزدوری
ڈلیا ڈھوئی کہیں یہ مجبوری

ہے سلائی پہ ایک کی اوقات
کاڑھتی ہے چکن کوئی دن رات

جب کہیں چار پیسے آتے ہیں
رو کر روٹی یتیم کھاتے ہیں

اپنے بچوں کا دیکھ کر یہ حال
ہوئی جاتی ہے ماں غریب نڈھال

اب نہ حاجب نہ کوئی ہے دربان — پہرہ دیتے ہیں در پہ فاقے خان
وہ ہی اور اُسکے گھر کا کونا ہے — اوڑھنا ہے نہ کچھ بچھونا ہے
فقر و فاقہ کا اک تو سر پہ وبال — حفظ عفت کا پھر جدا ہے خیال
بخت لیجائے کو بچو اُس کو — ہے مگر پاس آبرو اُس کو
گو مصیبت پڑی مصیبت پر — حرف لیکن نہ آئے عفت پر
بھیک کا ننگ ہے اُٹھائے ہوئے — ہاتھ چادر میں پر چھپائے ہوئے
الغرض اُس کو جو مصیبت ہے — یک کسی مرد کو یہ آفت ہے
اُسکو دشواریاں کہاں ایسی — اُسکو ناچاریاں کہاں ایسی
جو نگہبانیاں ہیں عورت پر — نہیں مردوں پہ ایک ذرہ بھر
ان پہ بچپن سے جو مصیبت ہے — ایک آفت ہے اک قیامت ہے
رہیں بوڑھوں بڑوں کی پاس سدا — ایک دم کو ٹلے تو حشر ہوا
کھیلنے کو اگر ہٹے دم بھر — آ گئے یہہ عذاب جاں بنکر
نہ ہٹے اک منٹ کو پاس سے ہم — ماں کی آنکھوں تلے رہی ہر دم
گھر کی مامائیں تک دباتی ہیں — باتیں بے وجہہ بھی سناتی ہیں
ہے نصیحت ہمیشہ دب کے رہو — دم نکل جائے مُنھ سے اُف نہ کہو

گر زباں اک ذرا ہلاتے ہیں
سچ تو یہ ہے کلیجہ جلنے لگا۔
سمجھے شادی کو اک بڑا جنجال
ہم پہ ہر قسم کا ہے رنج و محن
کوئی باہر کے بھی جو آتا ہے
پڑھنے لکھنے کو جب بٹھائی گئے
مولوی کل تو آج استانی
خود پڑھی تھیں جو کچھ پڑھانے لگیں
دیتے ہیں صاحبانِ عقلِ سلیم
واہ کیا خوب آدمیت ہے
کوئی ان سے کہو کہ نادانو
کس لیے عورتیں رہیں جاہل
کیوں نہ پڑھ لکھ سکے وہ ہیں قابل
ہم ہوں جاہل یہ آدمیت ہے
خود نہ لکھنے دیں اور نہ پڑھنے دیں

خوف سسرال کا دلاتے ہیں
یوں ڈرایا کہ دل دہلنے لگا
قعرِ دوزخ تھا یا کہ تھی سسرال
ہر طرح کا غرض کہ ہے قدغن
اپنا ناحق وہ سنکے جاتا ہے
پہلے کچھ مولوی ہی آئی گئے
ایک بڑھی بدمزاج استانی
مثل طوطی کے بس رٹانے لگیں
عورتوں کو اسیقدر تعلیم
مختصر علم کی ضرورت ہے
عورتوں کو بھی آدمی جانو
کس لیے عورتیں رہیں کاہل
کیوں رہے نقص کیوں نہوں کامل
آج تک عہدِ جاہلیت ہے
خود ہی الزامِ جہل پڑھنے دیا

نہ تو علم و کمال سکھلائیں — نہ تو صورت ہنر کی دکھلائیں

فلسفہ ہندسہ نہ جبر ثقیل — غیر قوموں کی آنکھ میں بھی ذلیل

جہل جغرافیہ سے بے پایاں — علم تاریخ کا نہ نام و نشاں

نابلد اس سے کیا ہی فقہ و اصول — کیا ہے معقول اور کیا منقول

مرد خود ہم کو یوں رکھیں کاہل — صنف نسواں کو پھر کہیں جاہل

واہ رے عدل واہ ری انصاف — جہل کی حد نہیں قصور معاف

یہ تو سمجھیں کہ ہم بھی انساں ہیں — ہم بھی علم و ہنر کے خواہاں ہیں

نعمتیں جو خدا نے اُن کو دیں — وہی ہم سب کو کبریا سے ملیں

ہیں وہی ہاتھ پاؤں چہرہ و سر — ہیں وہی آنکھ ناک قلب و جگر

اُن سے ہم عقل و فہم میں نہیں کم — سب ہیں اولاد حضرت آدم

ہے انہیں حکم گر عبادت کا — تو ہمیں بھی ہے فخر طاعت کا

ہے وہی شرع اور وہی ہیں حدود — ہے وہی لاشریک اک معبود

مرد و زن کا ہے ایک ہی مالک — دونوں ہیں ایک راہ کے سالک

ایک گاڑی کی دونوں ہیں پہیئے — اُنہیں ناقص ہوا تو کیا کہیئے

ہمکو علم و ہنر اگر وہ سکھائیں — ہم بھی کاموں میں اُنکا ہاتھ بٹائیں

پہہ جو اولاد ہم سے قابل ہو
باپ فرزند کو سبق جو پڑھائے
گھر کی باہر جو رکھے باپ قدم
وہ سفر کے لیے جو جائے کہیں
وہ اگر دل جلا کے سکھلائے
وہ سکھلائے جو مسئلات اہم
وہ اگر تلخ ہو تو یہہ شیریں
وہ اگر سخت ہو کے سمجھائے
سایۂ کبریا وہ ہر پسر
وہ جو باہر کا انتظام کرے
پھر نہ بیچون پیوہ حساب کرے
مگر افسوس جب ہوئی لڑکی
اسکی تعلیم کی نہیں کچھ فکر
فرض اپنا ادا ہو چین آئے
سخت شادی کا باب ہو سنجیدا

نہیں ممکن کہ پھر وہ جاہل ہو
ماں اُسے پھر خوشی سے آگے بڑھائے
نگراں ماں پسر کی ہو ہر دم
یہہ نئے پھر سراج راہ مبیں
یہہ اُسے ٹھنڈی جی سے سمجھائے
یہہ نصیحت اسے کرے مستحکم
یہہ نیکی باتوں کو یہہ کرے تمکیں
یہہ اُسے نرم ہو کے سکھلائے
رحمت حق یہہ ہو لیے دختر
گھر کا لکھ پڑھ کے سب یہہ کام کرے
لکھ سکے خود داخل حساب کرے
باپ کو فکر ہے تو شادی کی
ہے تو بس اُسکے بیاہ کا کچھ ذکر
یہہ کہیں اپنے گھر کی ہو جائے
جس میں ہم عورتوں کا بس نہ چلا

شاد ہیں سمدھیانے جانے کو — خوش ہمارا گلا پھنسانے کو

کچھ ہو لیکن ہمیں وہاں بھجوائیں — سمدھیانے میں گالیاں بھی کھائیں

مشورہ میں ہم انکے چوں نکریں — مار ڈالیں ہمیں جو ہوں نکریں

پھر تو انکی مراد ان کو ملی ۔ — ہوں سکے کہنے میں گو زبان ہلی

خوش ہیں اپنے پرائے اور عزیز — بنگئے عمر بھر کو ہم جو کنیز

بیاہ کا مسئلہ ہے سخت اہم — کہ ہے عورت کا دوسرا یہہ جنم

پاس رہتے ہیں اجنبی ہر دم — ہیں نئے لوگ اور نیا عالم

ہمکو رہے بھر گی طبیعت سے — انکو لاعلمی اپنی عادت سے

ایک تو گھر کے چھوٹنے کا ملال — طرۂ سسرال والوں کا ہی خیال

غم ہے ماں باپ کی جدائی کا — رنج بہنوں کا اور بھائی کا

ہم عزیزوں سے ہیں ستم چھوٹے — ساتھ کھیلے تھے جنسے ہم چھوٹے

ساتھ اچھا جو ہو غنیمت ہے — ورنہ آفت ہے ایک قیامت ہے

غصے والا جو مل گیا شوہر — ہو گئی زیست پھر ہمیں دو بھر

چاہنے والا اگر ملا جب بھی — فکر رہتی ہے ساس صاحب کی

ہے عموماً یہہ ساس کا دستور — کہ بہو کو سدا کرے رنجور

سیہہ اطاعت میں جان کھوتی ہی
گر کسی بات کا جواب دیا
دل میں جو آیا کر گذرتی ہیں
ساس صاحب تو دعوی کرتی ہیں
کر دیں وہ برخلاف بھائی کو
کہیں کس سے جو ہم کو کہنا ہے
متصفی سے جو کام لے شوہر
وہ گئے گھر سے آئی یہاں شامت
بات ناچیت ہے بہو خاموش
بیٹھے بیٹھے جو طیش کھانے لگیں
خود بخود تیوریاں چڑھائی ہوئے
ہے عیاں صاف چشم و ابرو سے
کس سے الجھیں یہی کہ منہ آویں
نوکروں لونڈیوں پہ جھوڑ رہو لی
کر چکیں جب جلا کے انکو کباب

طعن و تشنیع اُس پہ ہوتی ہے
آگئیں سر پہ ساس ننکے بلا
خوب بیٹے کے کان بھرتی ہیں
اور نندیں گواہی بھرتی ہیں
ہم کسے لائینگے صفائی کو
دائم الحبس ہم کو رہنا ہے
جب بھی ہوتی نہیں ہماری گذر
اُن کا جانا کہ آگئی آفت
آگیا امّاں جان کو اک جوش
آپ ہی آپ بڑبڑانے لگیں
بیٹھی ہیں گال منہ پھلائی ہوئے
آپ باہر ہیں اپنے قابو سے
کسکو پا جاؤں کسکو کھا جاؤں
کوئی مردار ہے تو کوئی موئی
پھر بہو کی طرف کیا یہہ خطاب

کیسی بیٹھی ہے گریہ مسکین ... کچھ یہہ گویا کہ جانتی ہی نہیں

ابھی آجائے گر خصم گھر میں ... کہدے اپنی پرائی دم بھر میں

بلکہ اپنی طرف سے اور لگائے ... اپنے دل کی لگی کو جلکے بجھائے

کہیا میں ڈرتی ہوں اُس سے لاکھ کہے ... اُس کا بس ہو تو دور بکے رہے

انکو معلوم ہیں جب ہی ہو گا ... جب کریگی الگ یہہ گھر والا

بولتی ہی نہیں موئی بہری ... چپ ہے کیسی نگوڑی بہن بیری

ایسی باتوں پہ گر نہ وہ بولی ... دیدیا بس خطاب بی بھولی

اور اگر ایک ذرا زبان ہلائی ... پھر تو بے طرح اُسپہ آفت آئی

دینگی پھر یہہ خطاب خوشدامن ... بی لڑاکا زبان دراز دُلہن

ہے غرض عورتوں کو اک مشکل ... کہ جگر سوختہ کباب ہے دل

بچوں بالوں کو پالنا ہی انھیں ... جان مصیبت میں ڈالنا ہے انھیں

نو مہینے تو پیٹ میں رکھیں ... ہر مصیبت کا وہ مزا چکھیں

جبکہ پیدا ہو خیر سے فرزند ... پھر یہہ سمجھا کرے اُسے دلبند

ہر طرح کے مصیبتیں جھیلے ... جیسے پاپڑ غریب یہہ بیلے

رات کی نیند ہو حرام اُسے ... اُسکے آرام سے ہو کام اُسے

ہو جو بچے کو کچھ پریشانی
کوئی بیماری اُس پہ گر آجائے
ہے دُعا اُسکے واسطے ہر آن
یہہ سلامت رہے نہ دُکھ پائے
جان کی اپنی گو پڑیں لالے
یہہ جواں ہو خدا وہ دن لائے
جب جواں ہو گئے تو پھر کیا تھا
ماشاءاللہ اب ہوے ہیں جواں
خود ہیں اور ہے دُلھن کا اپنی پاس
ہے تو شوہر کے اپنی چاہت سے
خود ہی لڑنے کو کھا رہی ہیں اُدھار
ساس بیچاری بیٹھی ہے خاموش
پاس کیا جائیں کیا کریں گی کلام
وہ کری بات یہہ اُسے سُنائیں
پاس ہمجولیاں جو آجائیں
جا و بیجا ہر اک شکایت ہے
کوستی ہیں نہیں ہے کچھ وسواس
تو ہوئی جاتی ہے یہہ دیوانی
یہہ پسینہ پہ اُسکے خون بہائے
آرزو ہے کہ یہہ چڑھے پروان
اسکی آئی ہو گر بلا مجھے آجائے
اللہ آمین سے یہہ اُسی پالے
چاند سی بیاہ کر دُلھن لائے
دھیان کیا کسنے ہم کو پالا تھا
کسکی بہنیں ہیں اور کہاں کی ماں
پھر بہو خاک آئے ساس کے پاس
ساس کی کیا بھلا حقیقت ہے
لینے جانی کو خود ہی ہیں تیار
یہہ دکھاتی ہیں دور سے پاپوش
چھوڑ بیٹھی ہیں صبح کا بھی سلام
بد دُعا دیکے انگلیاں چٹکائیں
ساس کی نقلیں کرکے تھرکائیں
جھوٹی سچی نئی حکایت ہے
جائے دنیا سے یہہ نگوڑی ساس

کہتی ہیں ہم سنیں کر آہ بہن
یوں تمہیں سوجھتا ہے کوئی
مدتیں آ گئے گئے جو سفر
کسطرح آپ کی بسر ہوگی
کیسی تنہا بھلا رہوگی بہن
بولی وہ مجھکو فاقے ہیں منظور
کرے انکی حیات تک پنشن
فاقے گر گزریں تو نہیں کچھ دور
ساس بیچاری کچھ کہے نہ سنے
گھر میں آجائے جب کبھی شوہر
یوں بھری کان پیٹ میں گھسکر
اسی حالت سے کرلیا پاگل
ہے وہی ماں جو پیار کرتی تھی
جان کو اپنی جان تک سمجھی
ختم کرتے ہیں اپنا ہم دکھڑا
عورتوں کی ہوں مرد دل سی رفیق
بیٹیوں کو سکھائیں علم و ہنر

بڑی بدذات تھی تمہاری ساس
یوں ہی منہ پھیر کر گو ستاتی کوئی
دولہہ بھائی ابھی نہیں نوکر
زیست ہر طرح پر خطر ہوگی
کس سے دکھ درد پھر کہوگی بہن
اس بڑے سانپ سی رہوں میں دور
بعد اگے ہیں لاکھ رنج و محن
ساتھ رہنا مجھے نہیں منظور
خود بخود اپنی آگ میں یہ بجھے
یہہ شکایت کے کھولدے دفتر
آ گئے جو کچھ کہا ہوا باور
پھر گیا ماں سے اسکا آخر دل
جان پسر پر نثار کرتی تھی
غلطی اپنی آہ اب سمجھی
اب ہماری یہی ہے حق سے دعا
اور خدا ان کو نیک دے توفیق
رکھیں بہنوں پہ یہہ کرم کی نظر

نخلِ امید پھر ہے بار آور
ہوں زن و مرد با ہنر یاور

حکایت از اٹلین شہیدانِ وفا

دوست بھی دنیا میں نعمت ہے نہیں اسمیں کلام
غم غلط ہوتا ہے ڈھارس دلکو رہتی ہے مدام

ہو ہجوم رنج یا افکار کا ہو ازدحام
ہو زمانہ منحرف ہو دوست حاضر صبح و شام

دوست جو ہے دوست کی اسکو خوشی سے کام ہے
قلب مضطر کے لیے وہ باعث آرام ہے

دوست کا اپنے کبھی دیکھا نہیں جاتا ملال
ہوکے رنجیدہ جو دیکھا ہو گیا وہ بھی نڈھال

اور جو خوش پایا ہوا مسرور وہ بھی خوش خصال
ہم زباں اور ہم سخن ہم داستاں اور ہم خیال

آرزو اسکی وہی ہے جو ہماری آرزو
اور ہم کو اسکی خوشی رکھنے کی ساری آرزو

دوست کا دل صاف تھا اور بھلا کیا ہو بیاں
آئینہ کی طرح دل ہے صاف اسکا بے گماں

اس میں تاریکی کا ہم کو تو نہیں ملتا نشاں
وہ سراپا نور ہے اور نور میں ظلمت کہاں

راستبازی و صفا شامل جو آب و گل میں ہے

جلوہ گر ہم دلمیں آ سکے وہ ہمارے دلمیں ہے

ہیں شریک رنج و راحت ہر گھڑی شام و سحر
ہو نہ میلا دوست کا دل یہی ہے مد نظر

انکی فرقت کا دل غمگیں پہ ہوتا ہے اثر
ہے وطن میں عالم غربت نہوں احباب گر

زندگی کا لطف بے احباب کے رہتا نہیں
کیسی ہی آ جائے آفت کوئی کچھہ کہتا نہیں

ذکر کردوں اک حکایت کا فسانہ ہے مقام
یہہ لکھا ہے اک فرنگی کے تھے دو زنگی غلام

مشتہر تھے خاص جو ہر گونہ سمجھی اسکو عام
دوست تھے رنجش کا کبھی نہ آیا تھا کلام

تھے دو قالب ظاہرا باطن میں دونوں ایک تھے
راست باز و باوفا و باحیا تھے نیک تھے

ان غلاموں کے سوا تھی پاس اسکے اک کنیز
تھی وہ حبشن بھی نہایت باوفا و باتمیز

باسلیقہ دیکھکر مالک بھی رکھتا تھا عزیز
لونڈیوں کا ذکر کیا تھی بیبیوں میں بھی چیز

نیک طینت نیک باطن وہ مبارک فال تھی
عصمت و عفت کی دولت سے بھی مالامال تھی

جب یہ دیکھا ان دو دونوں عبد باصدق و صفا
یہہ روش پائے گئے تا رشتہ میں یوں اک جا

جاریہ کے دیکھکر اوصاف اور مہر و وفا
مبتلائے عشق دونوں ہو گئی دل آ گیا

آگئی الفت کی یہ دونوں پہ دم بھرنے لگے
دوست دونوں ایک ہی معشوقہ پر مرنے لگے

ہو گیا سودا انہیں وہ مشتری دل ہو گئی
دوست دونوں کی تھی وہ دونوں کی قاتل ہو گئی

پھر نہ چین آیا طبیعت اسطرح مائل ہوئی
ایک لیلی اور دو مجنوں بڑی مشکل ہوئی

دو مریضوں کے لیے اک عشق کا آزار تھا
کس کی وہ ہو کر رہے یہ فیصلہ دشوار تھا

ایک گل دو بلبلیں اک سرو اور دو قمریاں
یہ قیامت تھی کہ تھے آپس میں دونوں روح و جاں

ایک ہی ساغر پہ تھی دو رند میں کشمکش تمام جاں
عشق کی درجہ سے الفت تھی نہ کمتر درمیاں

کہتا تھا اک عشق میں جینا مرا دشوار ہے
دوسرا کہتا تھا مجھکو بھی یہی آزار ہے

وہ حسینِ نازنیں دونوں پہ تھی یکساں فدا
عشق ایسا بھی زمانہ میں نہیں دیکھا سنا

اسکے دل میں بھی تھی دونوں سے محبت کی جدا
الفتِ صادق میں تھا اک دوسرے کا مبتلا

ایک کا رنج ایک کو ہرگز گوارا ہی نہ تھا
ترک الفت گر کریں آپس میں یارا ہی نہ تھا

ایک کہتا تھا مجھے مر جانے دو تم خوش رہو
دوسرا کہتا تھا یہ ہرگز نہ تم مجھ سے کہو

کہتا تھا یہ ایک فرقت کا قلق دلپر ہے — کہتا تھا وہ چاہتا ہوں میں کچھ بعد صدمہ

کہتا تھا یہ میرے صدمے کا خیال اچھا نہیں
کہتا تھا وہ تم نہیں دنیا میں تو دنیا نہیں

فیصلہ کا منتظر آخر کو سب یاراں کے — مرضی مالک پہ رکھے کہدیا جو بھی ہو بہتر
دیکھا آقا نے یہ بادا ہو نہ پیدا کچھ خطر — کہدیا اُس نے کہ جو جاریہ کی رائے ہو

جس سے وہ ہو جائیگی راضی اُس سے راضی ہو نگا میں
اور اُسی کے عقد میں اس جاریہ کو دونگا میں

جاریہ کے دل میں پیدا ہو گیا اک اضطراب — دونوں عاشق ایک سے کسکو کرے وہ انتخاب
وصف یکساں اور خصائل ایک سے تو لاجواب — دونوں وارفتہ اسی کے رنج و غم میں دل کباب

فرق کیا کرتی کہ الفت ایک سی دونوں کی تھی
اُسکے دل میں بھی محبت ایک سی دونوں کی تھی

آخر اُس نے کہدیا دونوں کو اُسنے یہ جواب — ایک کا دونوں میں کر سکتی نہیں میں انتخاب
فیصلہ کر لو تمہیں آپس میں جو سمجھو صواب — ہوں میں تم دونوں کی حاضر ہے دل خانہ خراب

عقد دونوں سے خلاف شرع ہے ناچار ہوں
ایک کی زوجہ میں بننے کے لیے تیار ہوں

ہو گئی مجبور دونوں سخت مشکل آ پڑی
جانتی ہیں اسکو سب ہی عشق کی منزل کڑی
ترکِ الفت بھی نہ ممکن تھا ہوئی آفت بڑی
شعلۂ الفت بھڑکتی تھی دلوں میں ہر گھڑی

دوستی ہو ترک اس کا تو نہ یارا تھا انھیں
جان دینا اور مرنا ہی گوارا تھا انھیں

دل کو ہاتھوں سے وہ آخر ہو گئی بے اختیار
پہلے اُسکے گرد پھر کر خوب روئی زار زار
لے گئے صحرا میں محبوبہ کو ہو کر بیقرار
تھام کر دل اپنی معشوقہ پہ ہوتی تھے نثار

محوِ حیرت تھی وہ ان دونوں کے ساتھ آئی ہوئی
جوشِ الفت دیکھکر دونوں کا شرمائی ہوئی

سہ پہر کا وقت جاکر ہو چلا تھا جھٹ پٹا
دلکشی ہر شئے میں پیدا اور منظر خوشنما
وہ سُہانا پن وہاں کا اور وہ صحرا کی فضا
دلربا کے ساتھ ہو جاتی ہے ہر شئے دلربا

صانعِ قدرت کی صنعت تھی عیاں اشجار میں
مخملی تھا فرش ہر سو دامنِ کہسار میں

دلکو دیتا تالبو کی دیتی تھی پھولونکی مہک
وہ کفِ گل پر زرِ گل کی درخشندہ چمک
دل جلوں کی تھی طراوت بخش سبزہ کی لہک
جسطرح ہو عارضِ نازک پہ سبزیکی نمک

وسعتِ صحنِ گلستاں دامنِ زرتار ہے

گل ہیں خنداں عندلیب خوش نوا سرشار ہے

ایک اک گل میں دیئے ہیں رنگ صانع نے ہزار
گل کی رگ رگ میں بھرا تھا کھینچ کر عطر بہار
پتہ پتہ سے نمایاں قدرت پروردگار
جوش گل سے ہر شجر پہنے ہوئے پھولوں کا ہار
گوشہ گوشہ تھا معطر عطر گل سے عنبر بیز ہے
سارا جنگل بس گیا خوشبوئے دل آویز سے

رقص میں طاؤس تھے سنکر سرود آبشار
وہ چٹانوں پر سے پانی کا چھلکنا بار بار
کوہ سے پانی کی جاری جا بجا وہ جوئبار
اور وہ ڈبرے وہیں آب صاف و شیریں خوشگوار
بوندیاں جو ابر سے ٹپکیں وہ فوراً چھن گئیں
جھاڑیاں سب بہر آب کوہ فلٹر بن گئیں

دامن کہسار میں پر گل درختوں کی قطار
یا کسی معشوقہ کے سینہ پہ ہو پھولوں کا ہار
جس طرح سنجاف سے چمکے قبائے زرنگار
یا کسی میلے میں آئیں مہ جبیں کر کے سنگار
نشہ میں نشو و نما کے سب تھے متوالے ہوئے
اک شجر باہم گلے میں ایک کے ڈالے ہوئے

دیکھکر صحرا کا منظر محو تھے وہ خوش خصال
مردنی چہرہ پہ چھائی ہو گئی غم سے نڈھال
یک بیک ان عاشقوں کو آگیا اپنا خیال
پڑ گیا رعشہ بدن میں چھا گیا دل پر ملال

دور کرکے الفت و صحبت کو اپنے پاس سے
چہرۂ معشوق کو تکنے لگے وہ یاس سے

دونوں نے خنجر نکالے پھر کمر سے یک بیک
ہوگیا سکتہ سا انکو آگیا کچھ دل میں شک

دیکھ لی معشوق نے بھی آبِ آہن کی چمک
موت نے دکھلائی خنجر میں جب اپنی جھلک

تاڑ کر انکا ارادہ وہ بہت حیران ہوئی
سوچکر انجام کار انگشت در دنداں ہوئی

غم سے کہنے لگی ثابت کرو پہلے قصور
کیا خطا میں نے تمہاری کی کرو ظاہر ضرور

پھر ستانا جو چاہو وہ مجھکو نہیں پرسی دور
بدگمانی کچھ ہوئی پیدا پڑا یہہ کیا فتور

پاکدامن ہوں یقیں جانو خدا کے واسطے
منہ سے کچھ بولو تو آخر کبریا کے واسطے

آنکھیں پھوٹیں غیر پر کی ہو اگر میں نے نگاہ
قتل کیوں کرتے ہو مجھکو ہیچ ان بالکل بے گناہ

اور کی الفت کو کب ہے اس دل میں راہ
میں صفائی قلب سے کرتی ہوں خالق کو گواہ

غیر کا تو دھیان میرے دل میں آتا ہی نہیں
میری آنکھوں میں کوئی ہرگز سماتا ہی نہیں

سنکے یہہ باتیں ہوا دونوں کو از حد اضطراب
شرم سے کٹ کٹ گئے اور ہوگئے وہ آب آب

ٹھنڈی سانسیں تو بھریں دل ہو گیا لیکن کباب — خود یقیں جس کا نہیں تھا اُسکا کیا دیتی جواب

جو سبب تھا قتل کا اُسکو نہ مُنہ سے کہہ سکے
باز اپنے قصد سے لیکن نہ ہرگز رہ سکے

دشمن کی تھے ہوا ہر چند دل کو اضطرار — مستعد اُس پر ہوئی جو کچھ تھا اسمیں قرار
حملہ ور آخر ہوئی دونوں طرف سے ایک بار — کر دیا بسمل اُسی پھر خنجر ونسے کر کے وار

تن بدن سے خوں کے فوارے رواں ہونے لگے
موت کے آثار چہرہ سے عیاں ہونے لگے

رو کر وہ بولی یہی ہے عشق کا شیوہ بھلا — کیا یونہی معشوق پر عشاق کرتے ہیں جفا
تخم اُلفت کا یہی پھل ہے بتاؤ تو ذرا — کیا محبت کا یہی انجام ہے بہر خدا

کیا اسی دن کے لیے اُلفت کا دم بھرتے رہے
جان لینے کو میری مجھ پر سدا مرتے رہے

واہ تم سے خوب چاہت کا ملا مجھکو ثمر — زمرۂ عشاق میں بیشک ہوئے تم نامور
قیس و وامق کو سبق دو تم کو ملجائیں اگر — اور کہو فرہاد سے شیریں کو وہ مارے تبر

خون معشوق سے یوں ہاتھ بھرتا ہے کوئی
چاہنے والے کو اپنے قتل کرتا ہے کوئی

رات دن کاٹی تمہارے ہجر میں میں نے سدا
دھیان رہتا تھا تمہارا ہی مجھے صبح و مسا

تم کو بھی میری محبت کا بہت تھا ادعا
آج ثابت ہو گئی مجھ پر وہ سب مہر و وفا

دل لگا کر تم سے لطفِ زیست حاصل ہو گیا
اور تمہارا عشق مجھ سے آج کامل ہو گیا

اس جفا پرسن کے شکوے نہ وہ دلدار کے
برچھیوں سی لگ گئی یہ طعن اس غمخوار کی

تیغ کے چرکے تھے یا جملے زبانِ یار کے
جان دی دونوں نے آخر اپنی خنجر مار کے

نیم بسمل وہ تڑپتی تھی یہ بسمل ہو گئے
اسطرح مقتول دونوں اُسکے قاتل ہو گئے

شہر آشوب
مسمی
فسانۂ عبرت

پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہو یارو ہوشیار
شور یہ کیسا محلے میں ہے یہ کیسی پکار

غلغلہ کیسا ہے یہ کیسا ہے شور گیر و دار
خواب غفلت سے ذرا چونکو تو بہر کردگار

اُٹھو اُٹھو نیند کا اچھا نہیں اِسدم خمار

نیند کی ماتو خبر بھی کچھ تمھیں ہی یا نہیں
اُٹھ کے دیکھو تو ذرا کیا ہو رہا ہی کیا ہیں
غافلو یہہ خوابِ شیریں تلخ ہی اچھا نہیں
شہر میں اک حشر برپا ہی تمھیں پروا نہیں
کیا قیامت خیز شورش ہی کہ دل ہی بیقرار

نیند کیسی ہی تمھیں اے دوستو بیدار ہو
آنکھ کھولو جلد کروٹ لو ذرا ہوشیار ہو
تا فصیل آئی ہیں فوجیں عازمِ پیکار ہو
جان دینی لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو
قوم کے تم ہو فدائی ملک کی ہو جاں نثار

پڑ گیا کہرام اک اور شورش بڑھ چلی
جو مصیبت آنیوالی تھی نہ وہ سر سے ٹلی
اک قیامت خیز غل سی بھر گئی ہر ایک گلی
اب کہیں لی اُسنے کروٹ اور آنکھ اُسکی کھلی
وائے حسرت خوابِ غفلت سی ہوئی کب ہوشیار

آنکھ سوتے سے کھلی تو رودِ موسی گھر میں تھی
سب فضائے صحن پنہاں پانی کی چادر میں تھی
زور وہ آفت کا لغزش جس سی بام و در میں تھی
در سی گھر میں گھر سی وہ تا بام اک دم بھر گئی تھی
چھت سی پانی گر رہی تھی پھر تو ہر پانی کی دھار

موجِ سیلابِ فنا سر سے گزر کر رہ گئی
موت اس طوفان میں آئی تو ڈر کر رہ گئی
کشتیِ عمرِ رواں پانی میں بھر کر رہ گئی
لاکھ ہر کوشش سی جو ابھری بھی اُبھر کر رہ گئی
پھر جو بیٹھی تا قیامت آگیا اسکو قرار

الاماں ای رود موسی کیا ستم تو نے کیا
پہلے تو آتی نہ تھی ظالم تجھے طرز جفا
تو بھی دلکش تھی ترا منظر بھی تھا کیا دلربا
پوجتے تھے لوگ آ آ کے تجھے صبح و مسا
اور برہمن کرتے تھے اشنان تا نصف النہار

شام کو ہر روز بیفکری سے ہوتے تھے بھجن
جمع ہو جاتے تھے سننے کیلئے سب مرد و زن
تھے کنارے تیرے شوالے جن پہ سورج کی کرن
روز کچھ سونا چڑھاتی تھی بڑھانیکو پھبن
جھجھماتے تھے کلس اور جگمگاتے تھے منار

کہکشاں کیطرح کیا منظر ترا پر لطف تھا
آب شیریں بھی ترا کیا پر صفا پر لطف تھا
پیچ و خم تیرا نرالا خوش ادا پر لطف تھا
تیرا سبزہ لہلہاتا جانفزا پر لطف تھا
شہر بھر کے گرد تھا کیا خوشنما تیرا حصار

گرد تیرے مرد و زن کا رہتا تھا میلہ لگا
رہتا تھا مجمع کناری پر ترے صبح و مسا
محفلیں زندہ دلوں کی مہوشوں کا جمگھٹا
وصف میں تیرے ہر اک رطب اللسان [illegible] تھا
حسن روز افزوں ترا کیا ہی دکھاتا تھا بہار

تھے محلے گرد گنجان اور آباد سب
گہما گہمی ہر جگہ جلسے خوشی کے روز و شب
سب بسر کرتے تھے بیفکری سے با عیش و طرب
دیکھکر اس خطہ کو اغیار کرتے تھے عجب
وہ مکانوں کی بلندی وہ دکانوں کی قطار

آہ ای موسی کوئی ایسا بھی کرتا ہے ستم
تیرے چڑھ آنیسے برپا ہو گیا طوفانِ غم

بنگلے عشرتکدی ماتم کدی سب یک قلم
تیری زور و جزر و مد سی پھٹ پڑا کوہِ الم

تیری لہریں ڈس گئیں سوتی میں آ کر مثلِ مار

چند ساعت میں کیا برباد آدھی شہر کو
کر دیا تو نے عدم آباد آدھے شہر کو

قیدِ ہستی سے کیا آزاد آدھے شہر کو
نامراد و مضطر و ناشاد آدھے شہر کو

آہ ای ظالم تیری دلمیں تھا یہ کب کا بخار

تو نے بے رونق کیا سفاک ساری شہر کو
دیکھیں اب اللہ کس دن پھر سنوارے شہر کو

کیا مٹایا ہی ستمگر کیسے پیاری شہر کو
خاک میں کیسا ملایا ہے ہماری شہر کو

کس زمانی کا ترے دلمیں بھرا تھا یہ غبار

تھا یہی دل کو کہ اب آیا ہی عبرت کا مقام
تھا نمونہ یہ قیامت کا نہیں اسمیں کلام

یاد رکھینگے قیامت تک کہ کن کی خاص عام
تیرہ سو چھبیس ہجری غرۂ ماہِ صیام

روز دوشنبہ تھا طوفان شب سے تا نصف النہار

گو کہ شنبہ سے رہی مینہہ کی جھڑی بالاتصال
ڈیڑھ فٹ بارش ہوئی بارہ پہر میں تھا یہ حال

روز یکشنبہ سے ندی میں ہی شورش کمال
لیکن اس طوفان کا کرتا نہ تھا کوئی خیال

جانتا تھا کون؟ آپہنچا ہے قہرِ کردگار

پہلے بھی ندی چڑھی تھی قبل اسکی بگمیاں — پانچ ہی سال اسکو گذری تھی عیاں تھے سب نشاں
بس زیادہ سے زیادہ جاتی تھی سب کے ہاں — بڑھ کی اس حد تک یہہ ہوگی پہلی یا دو پھر رواں
دہم تک اسکا نہ ہوتا تھا یہہ ہوگا انتشار

بس شبِ دو شنبہ کو بڑھتی لگی حد سے سوا — پھیلتی ہی جیسی ہر طرف کھینچی ہوئی تیغ جفا
صبح تک ندی کا قبضہ دونوں جانب ہو گیا — گرد کے ساری محلے ہوتی جاتے تھی فنا
یہہ ڈبوتی جاتی تھی بڑھ بڑھ کے تا نصف النہار

پھر تو ساری شہر بھر پر چھا گیا خوف و ہراس — پانی پانی ہی نظر آتا تھا سبکو آس پاس
بیبیاں پردہ سی نکلیں سر برہنہ بدحواس — مال و دنیا سی فقط ہمراہ تھا تن کا لباس
خوف انکا پردہ در تھا شرم انکی پردہ دار

تھیں جو یہہ پردہ نشیں باہر نکلنا تھا حرام — گھر سے ندی نے نکالا یہہ ہوا طرفہ ستم
چاہتی تھیں جان دیں لیکن نہ ہوں بے پردہ ہم — اُنکے مردوں نے نکالا انکو دے دے کے قسم
ورنہ انکو اپنی گھر میں دب کے مرنا تھا نہ بار

گود میں تھیں بعض کی معصوم با صد اضطراب — بعض بچے انگلی پکڑی ماں کی با حالِ خراب
کوئی دامن تھامی شوہر کا بصد شرم و حجاب — بال بکھرائے کوئی چہرہ پہ تھی جاتی نقاب
قافلے تھے بیسوں ایسے میانِ رہگزار

بیبیاں یہہ سب کی سب تھیں خاندانی باحیا
گاڑیاں گھر میں مگر آفت کا تھا یہہ سامنا
راہ والوں نے کبھی دیکھا نہ جنکا نقش پا
اس قیامت میں سواری کا نہ لگتا تھا پتا
ڈوب ہی جاتیں سواری کا جو کرتیں انتظار

آگے آگے مرد بھی ان عورتوں کے سر نگوں
کہہ رہا تھا یہہ ہر اک بیخانماں حیراں ہوں
اضطراب و فکر سے ہر ایک کی حالت زبوں
کسطرف لیجاکے ان سب کو ٹھہراؤں کیا کروں
ندی بڑھتی ہی چلی آتی ہے یہہ ہی انتشار

اکثروں نے یہہ کیا پایا اگر پختہ مکاں
سینکڑوں ہی مرد و زن تھے جمع وہاں بہر اماں
اس کی جا اسکو بھی لیگئے سب بہاں
صحن میں بھرنے لگا پانی ہوا پھر خوف جاں
بام پر چڑھ کر لیا ان بیکسوں نے کچھ قرار

اڑاڑا کر گر پڑا آخر کو وہ سارا مکاں
ہاتھ اٹھا کر کر رہی تھی سب کی سب آہ و فغاں
مثل کشتی کے چلی وہ چھت بہا لے سیل
تا فلک جاتا تھا انکی آہ کا اٹھکر دھواں
چھت زمیں پر آرہی تا آسماں پہنچا غبار

موت ہی کا سامنا تھا بھاگ کر جسجا گئے
جو مکاں پختہ بظاہر تھے وہ سب بہا گئے
اک نہیں کثرت سے ایسے واقعے پیش آ گئے
سینکڑوں تھے جمع جسمیں اس کی جا پا گئے
بیس تھے گھر سے تو باہر کے بھی آکر ہزار

نیو بھی سنگین تھی اور دیوار بھی تھی سنگ بست — کوہ بھی جسکی بلندی سے نظر آتا تھا پست
جانتے تھے ہر در و دیوار کیا ہو گی شکست — یہ نہ سمجھے تھے کہ ہے سیل بلا اک فیل مست
بوڑھے بچے مرد و زن سب جمع تھے واں بے شمار

توڑ کر دیوار پانی گھر میں آیا ناگہاں — پاس اُن آفت زدوں پر چھا گئی اور خوف جاں
گھر گئے چاروں طرف طوفان ہے اب جائیں کہاں — چیخنا رونا بلکنا بیکسوں کا الاماں
لے گیا سیلاب اس سارے مکاں کو ایک بار

اب جو دیکھا ہر طرف تھا جوش زن دریائے قہر — تھی زباں اژدر کی یا ہر سمت سے دریا کی لہر
منہ میں ہر ایک لہر کے کف تھا کہ تھا کالا زہر — بڑھتا جاتا تھا ہر اک جانب سے دریا سوئے شہر
شور موجوں کا کلیجہ کے ہوا جاتا تھا پار

چار پل تھے ایک بھی ان میں نہ آتا تھا نظر — ایک اک نیزہ تھا پانی پل کے اوپر الحذر
پانی پانی ہی نظر آتا تھا تا حدِ نظر — پاٹ ایسا تھا نہ کچھ دکھلائی دیتا تھا ادھر
بلیوں اونچا نظر آتا تھا ندی کا ابھار

لوگ بہتے آتے تھے کس بیکسی سے آہ آہ — دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تھے کہ دے کوئی پناہ
مردنی چھائی ہوئی چہرہ پہ اور حالت تباہ — جان جب نکلی بدن سے جب ملی پانی کی تھاہ
مرنے والوں کیلئے ندی بنی آخر مزار

ڈوبتی تھی ماں بچا سکتا نہ تھا اسکو پسر
سامنے ماں باپ کے ڈوبا کوئی لخت جگر
اک نظر سے چھپ گیا اک رہ گیا دم توڑ کر
باپ ماں بھی ہو گئے پھر غرق سیل فتنہ گر
لے گیا گھر بھی بہا کر انکا جوش جوئبار

بعض آفت میں گھری تڑپا کئے تھے رات بھر
یہہ سمجھتے تھے نکل جائینگے ہم وقت سحر
تا گلو آیا جو پانی بڑھ گیا خوف و خطر
چڑھ گئے سب بلگیا اونچا اگر کوئی شجر
اور شجر کو لے گیا سیلاب پھر انجام کار

شب سے پانی کچھ محلوں میں جو آکر بھر گیا
تا فصیل شہر مضطر ہو کے گھر کا گھر گیا
ٹوٹنا سیلاب میں اسکا قیامت کر گیا
بہہ گیا اک سیل میں اک ڈوب گیا اک مر گیا
ماں بہہ ڈوبی باپ وہ بچہ بیٹھہ دبا شیر خوار

بیٹھے ہوا تو نہیں تھی اک شب کی عروس نازنیں
تھے حنائی دست و پا افشاں سے رخ تھی جبیں
ناک میں نتھ کان میں آویزۂ دُرِّ ثمیں
دیدۂ بیمار اس بے پردگی سے شرمگیں
موت آخر ہو گئی اس کے گلے کا اک ہار

سب اثاث البیت گھر بھر کا تھا ندی میں رواں
صاحب خانہ بھی اسکی ساتھ تھی کرتی فغاں
واسطے پھر کس کے رہجاتا بھلا خالی مکاں
ٹوٹ کر بہنے لگے دیوار و در بھی ناگہاں
جس جگہ اونچی عمارت تھی وہاں گہری ہے غار

سینکڑوں ہن کی چٹانیں اُگیا پانی بہا
جب بہت گھٹ ہو ڈھا تو اک کا نشاں آخر ملا
گو وہ پیکر ہاتھیوں کا بھی نہیں ملتا پتا
لوگ کہتے ہیں کہ انکا دھڑ جدا تھا سر جدا
موج تھی شمشیرِ عریاں لہر تھی خنجر کی ادا

ایک شاہی فیل نکلا ہے قریبِ جو نگیر
تھا جو زنجیروں سے شہر کے ستونوں میں اسیر
ایک مدت تک رہا کرتا تھا جو وسطِ شہر
ہو گیا وہ بھی رواں پہونچا جو وقتِ ناگزیر
بہہ رہا تھا سیل میں اسطرح جیسے کوہسا

شورشِ طوفاں نہ تھی قہرِ خدا تھا لا کلام
ہو گئے بے خانماں اکثر یہاں کے خاص و عام
موت کو بھولے ہیں جو دیکھیں یہ عبرت کا مقام
کارخانوں کا نہ اب باقی دکانوں کا ہی نام
بچ گئے ہیں جو وہ حیراں ہیں کریں کیا کاروبار

موت سے بچکر نہیں فکرِ معیشت سے مفر
بہہ گیا سب مال و زر کیونکر ہو اب انکی گزر
ڈھہ گئی ساری مکاں کچھ شاذ و نادر ہیں کھنڈر
عرصۂ آفاق ان پر تنگ ہے جائیں کدھر
پھر رہے ہیں سینکڑوں بے خانماں و دربدر

یا الٰہی رحم فرما تیرے بندے ہیں تباہ
فضل سے اپنے تبادے انکو کوئی نیک راہ
کسطرح ان بیکسوں کا خلق میں ہوگا نباہ
بے نواؤں کے لیے بس ہے تو ہی پشت پناہ
حیدرآباد دکن ہے تیری رحمت کا جوا

تو نی بخشا ہی ہمیں وہ بادشاہ خوش سیر
دی تسلی اُس نی ہم سب کو ہراساں دیکھکر
جسکے اوصاف ہمایوں سی ہیں بڑھ ہر بشر
ہوگیا اپنے رعایا کیلئے سینہ سپر

ای خدا قائم رہے سر پہ ہمارا شہریار

اپنے ایوانِ معلّٰی کر دیے خالی تمام
ہوگیا ساری رعایا کیلئے یہہ حکم عام
خانہ بربادوں کی رہنے کا وہاں ہو انتظام
دو ہماری خوانِ نعمت سی انھیں آب و طعام

صرف ہوتی ہے خزانہ سی رقم اب بیشمار

حکم حضرت سی دو ماہہ کی ہوئی تقسیم عام
لیں اپہنے کو لباس اور پیٹ بھر کھائیں طعام
جابجا بنوا لئیں شہر میں ہی انتظام
رہتا ہے دلجوئی خلق خدا میں اہتمام

میر محبوب علی خاں پر نہو کیوں جاں نثار

ای ہماری بادشاہ سو جاں سی ہم تجھپر فدا
تو ہی ظل اللہ تیرا ہمپہ سایہ ہے ہُما
کشتیِ ملکِ دکن کا تو ہی بیشک ناخدا
کون ہمدردی بھلا کرتا ہی ایسی مرحبا

ہم مکافات گناہ میں اور تو ہی اشکبار

فی الحقیقت چھا گیا تھا خلق پر فسق و فجور
گھٹ گئی تھی راست بازی بڑھ گیا تھا مکر و زور
قہر ربانی سی غافل بادۂ نخوت سی چور
معصیت پر سب کو اصرار اور عقاید میں فتور

خوابِ غفلت میں گزرتی تھی اُنھیں لیل و نہار

اب تو اس بے خبری کو دیکھکر ہوشیار ہو — خواب غفلت میں رہے بس ہوں ذرا بیدار ہو
بے کسوں کی دستگیری کیلئے تیار ہو — چارہ جوئی چاہئے ہے گر کوئی ناچار ہو
بس انہیں باتوں میں ہے خوشنودیِ پروردگار

آہ آئی یاور یہ طوفان کیا قیامت خیز تھا — دب گئے اپنے ہی مکانوں میں ہوئے اکثر فنا
رہگئے سوتے ہی کے سوتے گرفتار بلا — بعض کی لاشیں نہ نکلیں خاک سے واحسرتا
ہوگئے اُنکے مکاں خود واسطے انکے مزار

رباعی

سلطانِ دکن جہاں میں آباد رہیں — دشمن پامال دوست سب شاد رہیں
بیواؤں یتیموں پہ کرم کی ہے نظر — ہر رنج و الم سے آپ آزاد رہیں

رباعی

دولت کو لٹا نہ اس کا ارمان رہے — ہم چشموں میں اعزاز رہے شان رہے
غیروں کو دی رہی ہے چندے تو قوم — ہم بھی ہیں مستحق ۔ ذرا دھیان رہے

ترکیب بند

اٹھا سایہ پدر کا رہگئے ہم نیم جاں ہوکر — بھلا ہوگا کوئی سن لے ہماری مہرباں ہوکر
سُنے کوئی تو اپنی داستانِ غم سنائیں ہم — کہ کر دیتی ہے دل ہلکا مصیبت کچھ بیاں ہوکر

اثر ہو یا نہو پھر آپ سی شکوہ نہیں ہم کو
ذرا دل دیکھئے سنئے آرزو اتنی ہی رکھتی ہیں
نہیں گر خوف ہی تو کوکب بخت سیہ کا ہی
نشانہ سامنی کسطرح اس گردش میں ٹھہریگا
پلٹ آتی ہیں آہیں اپنی گنبد کی صدا بنکر
ابھی تک مشت خاکستر ہی باقی پھر نہ پاؤگی
ہمارے سر پہ یہہ بادل نہیں گرد یتیمی کا

مگر ہاں گوش لیں آپ سن لیں یہی داں ہو کر
چلے جائینگی اس کوچہ سی پھر ہم شادماں ہو کر
زمیں بھی جس سی ٹکر کھا رہی ہی آسماں ہو کر
خدنگ آہ پھر کیونکر لگائیں ہم کماں ہو کر
جلاتا ہی ہمیں یہہ کوہ غم آتش فشاں ہو کر
ہوا میں منتشر ہو جائیگی جب یہہ دھواں ہو کر
ہمارا رخت ہستی اڑ گیا ہی دھجیاں ہو کر

یتیموں کی خبر لینے کو اے صاحب دلو اٹھو
تم ان صاحب دلوں کا ساتھ دو اے غافلو اٹھو

کبھی ماں باپ کی آغوش پر کیا ہی حلاوت تھی
نہ آنکھو نیند آتی اک ذرا بے چین گر دیکھا
چلے جب گھٹنیوں ماں نے سدا پیش نظر رکھا
ہمیشہ نازبرداری ہماری وہ کیا کرتی تھی
ہماری واسطے آنا کھلائی اور دوا رکھی
کبھی آغوش مادر اور کبھی زانو پدر کا تھا

سراپا پر خدا کی دی ہوئی ان میں محبت تھی
نہ سوتی رات بھر جاگا کیں وہ ایسی جو الفت تھی
چلے پردیس تو پھر پر ہر دم پدر کی چشم الفت تھی
انہیں شکوہ ہمارا تھا نہ کچھ ہمکو شکایت تھی
نہوں جنسے بیسکا دیہان تھا کیا ہی شفقت تھی
ابھی تک یاد ہی ہمکو جو اپنی شان و شوکت تھی

ابھی تھا بچپنا سر سے اٹھا جو باپ کا سایہ
وہ انکی موت یا قسمت یتیموں کی قیامت تھی

ہوئی نادار و مفلس چند دن میں آہ ری قسمت
نہ دولت تھی نہ ثروت تھی نہ شوکت تھی نہ حشمت تھی

اثاثہ گھر کا جو تھا بیچ کر چندے بسر کر لی
بکا جب گھر پھری در در مصیبت پر مصیبت تھی

تمہاری دستگیری نے ہمیں اب کچھ بچایا ہے
ہمیں بیت الیتامیٰ میں مقدر لیکے آیا ہے

ہماری باپ ماں اب آپ ہیں اسکا یقیں رکھیے
ہم اب وابستہ دامن ہیں اسکو دلنشیں رکھیے

ہمیں مشرق میں رکھیے آپ یا مغرب کے ملکوں میں
ہماری یاد لیکن اک ذرا دل کے قریں رکھیے

ولایت آپکی ہے تابع احکام والا ہیں
رہینگے ہم خوشی سے آپکی مرضی کہیں رکھیے

پسند خاطر اقدس اگر ہے لکھنؤ اچھا
مطیع حکم والا ہیں بہت بہتر وہیں رکھیے

شکستہ دل بہت ہیں خوف ہے ٹوٹے مکانوں میں
مناسب ہے کہ پاس خاطر اندوہگیں رکھیے

گھٹا جاتا ہے دم اتنی یتامیٰ اور مکاں چھوٹا
نتیجہ اسکا کیا ہوگا نظر انجام بیں رکھیے

ہماری کار فرما کیا کریں جب فنڈ خالی ہو
قصور انکا ہے کیا الزام یہ انپر نہیں رکھیے

ہمارا بار ہے اور دوش ہے حضرت سلامت کا
جو ہم سے پوچھیے تو ہم یہ کہدینگے یقیں رکھیے

قریب شیعہ کالج ایک بنجائے مکاں اپنا
ٹھکانہ اس سے بہتر ہوگا دنیا میں کہاں اپنا

شعاعیں آفتاب علم کی پڑتی ہیں ہم پر
ہمارے خانہ دل جگمگائیں نور سے یکسر

نہ تاریکی جہالت کی رہے پھر نام کو ہم میں
سدا انوار ایماں سے ہے روشن ہمارا گھر

جو پیشیں خواب کو لیں پس خیال نور ایماں ہو
جو اشخاص صبح کرتے ہیں تو صل علی پڑھ کر

اگر کھیلیں گے زیر سایہ دیوار کالج ہم
سبق ملیگا اس کھیل میں بھی کچھ نہ کچھ اکثر

سبق حاصل کرینگے بے پڑھے بھی ہم یقیں رکھیے
بنا دینی ہے صحبت عالموں کی صاحب جوہر

وقار علم نظروں میں سما جائیگا بچپن سے
رہینگے باکمال علم و ہنر پھر ہم جواں ہو کر

اصول دیں اساس اسکی فروغ دین شان اسکی
یہہ وہ کالج نہیں تعلیم سے جسکے نہیں بہتر

یہہ کالج تاج برٹش کا معاون ہمیشہ ہوگا
کہ رکھا لارڈ منٹو نے خود بنیاد کا پتھر

رہیں وہ خوش خدا محفوظ رکھے ہر غم و ہم سے
رقم دی اور مدد کی اور مدد بھی کی ہے ہم سے

یہی احسان ہم کو تابع فرماں بنائے گا
وفاداری ہمیشہ سلطنت کی یہہ سکھائیگا

یہی کالج ہمارا رہنما ہوگا زمانہ میں
یہی تو راست بازی کی ہمیں ہر دم سکھائیگا

کرینگے خدمتیں ہم ویسی اپنے ملک و ملت کی
نہ کوئی حرف رکھیگا نہ پھر انگلی اٹھائیگا

یہی کالج محافظ ہوگا ہمارا اصولوں میں
ہر اک ٹھوکر سے ہر مشکل سے یہہ ہم کو بچائیگا

یہی مشرق سے نکلیگا ستارہ علم و حکمت کا
یہی کالج صراط مستقیم اک دن بتائیگا

علوم دین و دنیا سے کریگا باخبر ہمکو
غرور جہل کی پھندی سے یہہ ہم کو چھڑائیگا

پڑہینگے سائنس اور صانع کی قدرت پہ نظر ہوگی
پڑہینگے فلسفہ نورِ بصیرت جو بڑہائیگا

یہی کالج کریگا شہرۂ آفاق عالم میں
یہی کالج تو راہ راست پر ہم کو لگائیگا

رہ گم گشتہ کا یہہ خضر ہے اسکو یقیں سمجھو
ملیگا پھر نہ ایسا رہنما دیکھو یقیں سمجھو

بہک جاؤں نہ پھر اک جام دو یا ساقیِ کوثر
کہ جسکو پیکے یاد آجائے پھر بھولا ہوا دفتر

ملا مضمون تمیموں کا چلے تم شیعہ کالج کو
کچھ اپنے فرض سے تم ہٹ گئے ہو آج ای یاور

مئے حبِ علی بچپن سے ہیں تو پینے والا ہوں
اگر کچھ لڑکھڑاؤنگا تو کہہ اٹھونگا یا حیدر

زباں پر نام آتے ہی سنبھل جاؤنگا قوت سے
کہ میری خون کے ذروں میں اب مٹی کے ہیں جوہر

دلا ساقی کی رگ رگ میں حیاتِ جاودانی ہے
رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے مئے تو لہو بنکر

کرم سے اپنے ساقی کے بھلا محروم میں ہونگا
ملا جام ولا دہ! ادہر لو ہو گئے تیور

یقیں ہوگا انہی ساقی کا اب کچھ حال لکھتا ہوں
کہ کیا گزری ہے انپر بعد قتلِ سبطِ پیغمبر

انہیں کے واسطے کل آیۂ تطہیر آیا تھا
دہی بلوے میں ہیں دشتِ بلا کی آج ننگے سر

کسی کے آہ وہ دستِ ستم اور کیا قیامت ہے
کسی کے کان کے بندے کسی کے دوش کی چادر

ترس آیا نہ آلِ مصطفے پر کیا مسلماں تھے

یتیموں پر کسی رحم آیا نہ انکو دشمن جاں تھے

عطش وہ تیز ان کے پھول سی چہرونکا مرجھانا
وہ سایہ سر سے اٹھنا باپ کا وہ رنج و غم کھانا

کڑی وہ دھوپ دشت کربلا کی حشر کا عالم
طپش سے آفتاب گرم کی وہ رنگ سونلانا

وہ انکی بیکسی اترے ہوئے چہرے پہ یہ حالت
وہ جلنا انکے خیموں کا وہ گھبرا کر نکل جانا

لپکنا آگ کا کرتہ کسی کا وہ پکڑ لینا
وہ اسکا دوڑنا گھبرا کے شعلہ کا بھڑک جانا

چھپٹنا پھر کسی خاتون کا وہ بیقراری سے
اٹھانا گود میں اس طفل کا سینہ سے لپٹانا

وہ جانا قافلہ کا کربلا سے شام کی جانب
برہنہ پشتوں پر بیکسوں کا آہ وہ بٹھلانا

یتیموں کو اذیت ہر طرح کی راہ میں دینا
کسی کا دیکھنا سر باپ کا اور گود پھیلانا

کسی دربار میں وہ داخلہ ہونا یتیموں کا
کسی کا سامنے وہ تخت کے اک اک کو بلوانا

کسی ظالم کا لانا تازیانہ قید خانہ میں
وہ [illegible] بچونکا مارے خوف کے اسوقت تھرانا

یتیمی ایک آفت ہے یتیمی اک قیامت ہے
نہ ہونا باپ کا سایہ مصیبت ہی مصیبت ہے

کئی سو سال اسکو بعد بھی آفت یہی آن پر
بنائی تھی عمارت انکو دیوار و میں چنوا کر

کیا شفقت سے ظالم نے اس طرح انکے اپنے ہوتے تھے
عدو کیا رحم کرتے جنکی طینت میں تھا شور و شر

ہوائی دہر نے افسوس انکو کر دیا روشن
جو چنگاری عداوت کی لگی تھی زیر خاکستر

مودت تھی فی القربیٰ کی چھپی انکے سینوں میں
لگا کر دل سنا کرتی تھی یہ ارشاد پیغمبر

وہ دشمن تھی مگر افسوس ہم کو اسپہ آتا ہے
کہ جو ہیں دوست وہ بھی چشم پوشی کرتی ہیں یکسر

تباہی میں نظر آئی جو اولاد نبی ہاشم
برہنہ پا اگر وہ ٹھوکریں کھاتی پھریں در در

اگر محتاج ہوں کھانیکو کپڑے کو تو ہوں ذلیل وہ
بری حالت سے یہ پھرتی رہیں گلیوں میں ننگے سر

سماجوں میں لگا لیجائیں اپنے آریہ انکو
بنا لیں پادری دھوکے سے عیسائی انہیں کچھ پھر

انھیں تو ہو نہیں سکتے طور ہیں اپنو سے کیا اُنکے
یتیموں کے لیے ساماں دیکھو جا بجا اُنکے

تمہیں سوچو یتیموں کے لیے کیا تم کو شایاں ہے
تمہیں سمجھو یتیموں کے لیے کیا حکم قرآں ہے

جدا کس طرح ہونگے جب یہ وابستہ تمہارے ہیں
یہی سمجھو کہ انکا ہاتھ ہے اور اپنا داماں ہے

تمہاری ہو کے چھانیں خاک گلیوں کی یہ ہی زیبا
تمہیں دیکھو جماعت انکی کس درجہ پریشاں ہے

کہے گا کون تم سے وہ تو ہیں بے والی وارث
تمہیں اٹھو تمہارے دیس میں گر کچھ رہ پنہاں ہے

خبر لو یا نہ لو بچے تمہاری قوم کے یہ ہیں
تمہیں پوچھو کوئی دنیا میں انکا اور پرساں ہے

پسے گا دل تمہارا ایسی سختی سے یقیں ہم کو
تمہیں پوچھو کہ قطرہ اشک کا گر کوئی گریاں ہے

کہاں جائینگے یہ بیکس اگر تم ہو گئے غافل
تمہیں کہدو کہ پھر بچنے کا انکو کون امکاں ہے

یہی ہم کہتے نہیں دارالیتامی میں انھیں بھیجو
تمہیں دیکھو گھر میں نہیں گر کوئی کھانے کا ساماں ہے

نہالانِ چمن کسکے ہیں دلمیں غور تو کر لو
تمھیں سمجھو اسی آخر تمھارا ہی گلستاں ہے

یتیموں کی جو تم محسن نہوگے کیا برا ہوگا
بھلائی ان یتیموں کی جو چاہوگے بھلا ہوگا

قومی نظم

لوگ کہتے ہیں کہا کرتے ہیں دولت چاہیئے
قوم کی اصلاح کو دل اور ہمت چاہیئے

صاحب ثروت نہوں کچھ منچلے عاشق ہوں کی
چاہیئے کچھ درد دل کچھ پاس ملت چاہیئے

چاہیئے دل ہمکو معراج ترقی کے لیے
اس سند کو کیا بھلا مہر نبوت چاہیئے

دوسری قومیں پہونچی ہیں کہاں منزل پہ اب
ہم رہے جاتے ہیں پیچھے اسکی غیرت چاہیئے

کون تھے اسلاف اپنے اور کیسے رہنما
خون انکا ہے رگوں میں کچھ حمیت چاہیئے

نام لیوا کس کے ہیں کچھ لاج ہے اسکی ضرور
شرم ہمکو چاہیئے دل چاہیئے ہمت چاہیئے

کس نظر سے دیکھتی ہیں دوسری قومیں ہمیں
اس سے بڑھکر اور بھی کیا ہمکو ذلت چاہیئے

چشم پوشی کیوں کریں اپنی نہیں وہ غیر ہیں
مضحکہ ہوتا ہے کیسا ہم پہ غیرت چاہیئے

خود ہماری کاہلی نے کردیا ہمکو ذلیل
اپنی ہاتھوں اور کچھ اپنی حقارت چاہیئے

گر کے نظروں سے ابھرنا ہو گیا مشکل کہیں
اس سے گہرا اور کیا قعر مذلت چاہیئے

ہے مجبورِ ماندگی ہر آج اولادِ رسول
ہم کو غفلت چاہیئے یا پاس عزت چاہیئے

اُمتِ محبوبِ حق ہونے پہ ہمکو ناز ہے
پھر نہ کیا اولاد سے انکی محبت چاہیئے

ٹھوکریں کھاتی ہیں در در کون اپنی نورِ عین
غور سے دیکھو ذرا چشم بصیرت چاہیئے

دیکھنا ہیں جائیے دار الیتامیٰ دیکھیے
گر نگاہِ اعتبار و چشم عبرت چاہیئے

ہیں گلستان سیادت کی یہ کمسن نونہال
ان کی خدمت چاہیئے ان پر ریاضت چاہیئے

کیا ہیں احکامِ الٰہی کیا ہے ارشادِ رسول
ان یتیموں کے سروں پر دست شفقت چاہیئے

حق صریح کسکا ہے لکھنے ذوی القربیٰ کے بعد
یہ تو مسکیں بھی ہیں انپر فرط رحمت چاہیئے

ان کی تعلیمی مصارف انکے اخراجات سب
ہیں تمہارے دوش پر اور تمکو ہمت چاہیئے

اس کا اندازہ تو کر لو اور سمجھو مہرباں
غیر کیوں دینگے مدد اسکی تو غیرت چاہیئے

شرم ہی اغیار سے کیوں طالب امداد ہوں
فضل خالق چاہیئے اور اپنی قوت چاہیئے

آپ ہم اپنی مدد کے واسطے تیار ہوں
پھر خدا کی بھی مدد ہوگی عقیدت چاہیئے

سیکھنا کیا ہے انکو اسکو پہلے دیکھ لو
کیا لیاقت چاہیئے کیا قابلیت چاہیئے

علم و فن جتنے ہیں انمیں سے پیشے طول کی ہیں
صنعت و حرفت میں بھی انکو مہارت چاہیئے

ٹھانلیں اس دل میں کہ سر کرنا ہے ہاں بحر و بر
اسلیے علم ریاضت اور مساحت چاہیئے

شرق سے تا غرب پہونچے نور انکے علم کا
ملک میں یورپ کی بھی ہو جائے شہرت چاہیئے

دل لگا کر انکو پڑھنا چاہیئے علم و فن
سائنس کی ہر جزو کل سے واقفیت چاہیئے

چاہیئے جو علم ہیں ہیں طاق ہوں مشتاق ہوں
ہندسہ جبر و ثقیل اور علم ہیئت چاہیئے

کوئی بیرسٹر بنے اور کوئی ہو انجنیر
اور کسی کے واسطے فن زراعت چاہیئے

انکو قانونی دقایق پر رہے پورا عبور
کیونکہ انکو کامیابی سے وکالت چاہیئے

ہاتھ دھو کر نوکری کیلئے پیچھے پڑیں
یہہ سمائیں آزاد انھیں علم تجارت چاہیئے

مستعد ہیں سیکھنے کو یہہ تو ہر اک علم و فن
حضرت ناصر کی مگر حضرت اعانت چاہیئے

دستگیری کیلئے اُٹھے ہیں شروع وقت سکوت
آپ کی ہیں آپ کو انسے مودت چاہیئے

سر پہ صدموں کا اب سلسلہ ہے نایاب کا
مہربانی چاہیئے چشم عطوفت چاہیئے

کام آئینگے ہمارے ایکدن انکو پڑھ کے یہہ
قوم کی ڈھارس ہیں ان سے یہہ عقیدت چاہیئے

قوت بازو ہیں انکے یہہ رہے پیش نظر
بھائی سمجھو تو ہیں پاس اخوت چاہیئے

کون کہتا ہے کہ تم سب بار لو اپنے سر
اپنے امکان تک تو ہمدردی نصرت چاہیئے

سمجھے تا قوم کی حالت نہایت ہی سقیم
اور سنبھلنے کو بھی ان کی ایک مدت چاہیئے

رفتہ رفتہ راستے پر سب کی سب آجائینگے
کام مشکل ہی سہی پر ہمکو ہمت چاہیئے

ہم پہنچ جائینگے اکدن منزل مقصود تک
ہاں ارادہ چاہیئے اور صدق نیت چاہیئے

ہیں ابھی ہم کے خیال ہم جو تن پیدا ہیں
آدمی ہم ہیں تو ہم کو آدمیت چاہیئے

دوسروں کے کام آئیں ہم بہت آسان ہے
نفس امارہ پہ بس تھوڑی سی قدرت چاہیے

چھکتے چہرے قوم کے افراد سے مطلب نہیں
اچھی صورت کیا کرینگے اچھی سیرت چاہیے

دی خدا نے عقل اور ہم کام اس سے کچھ نہیں
کیا مناسب ہے یہی کفران نعمت چاہیے

کر دکھانا چاہیے کچھ وقت ہے وہ آئیگا
کیا مواعظ چاہیے اب کیا نصیحت چاہیے

ڈوبتی ہے قوم کی کشتی خدا کیواسطے
ناخدا بنجاؤ سنبھالو تم کو ہمت چاہیے

یہہ تو سمجھو تم بھی اس کشتی پہ آخر ہو سوار
کیا تمہارا فرض ہے کیا در حقیقت چاہیے

پھیر لینا آنکھ کا انجام بینی سے ہے دور
کام آؤ قوم کے چشم مروت چاہیے

زندگی گم دن کی ہے لازم ہے عقبیٰ کا خیال
چار دن کیواسطے کیا شان و شوکت چاہیے

مال دنیا سے ملا بھی گر تو بس دو گز کفن
یاد کھانے کو زمیں کچھ بہر تربت چاہیے

تم یتیموں کے لیے تعمیر کر دو یہاں مکان
تم کو عقبیٰ میں اگر ایوان جنت چاہیے

دو یتیموں کو سدا کرتے رہو ایثار نفس
لو اگر خلد بریں کی تم کو نعمت چاہیے

یہاں یتیموں کو نبھانا چاہیے تمکو لباس
وہاں اگر استبرق و سندس کا خلعت چاہیے

چاہیے ہو رتبۂ السابقون السابقون
تو مدد کرنی ہے انکی تم کو سبقت چاہیے

پرورش انکی کرو جو ہیں یتامیٰ شیر خوار
ساغر کوثر اگر پر لطف و لذت چاہیے

الغرض دنیا میں و عقبیٰ میں ہے اس سے فلاح
قوم کی خدمت پہ تم کو دل سے رغبت چاہیے

قوم کے یادر ہیں یاور کی ہی یہہ آرزو
کچھ توجہ اسطرف عندالضرورت چاہئے

سلام

لب کوثر نظر وہ جانب ساغر اٹھاتی ہیں
جو پہلے خاکپای ساقی کوثر اُٹھاتی ہیں

قلم بہر ثنا ہم یا علی کہکر اُٹھاتی ہیں
تو بام عرش تک مضمون عالی اُٹھاتی ہیں

نہ اٹھینگے تمھاری آستانی سی یا علیؑ ہم تو
گدائی بینوا اس در کی کب بستر اُٹھاتی ہیں

فروتن ہو اگر تم چاہتی ہو خلق میں رفعت
وہ نیچا دیکھتے ہیں کبر سی جو سر اُٹھاتی ہیں

جو حاسد ہیں وہی داد سخن میں بخل کرتی ہیں
سمجھتے ہیں کہ ہم کیسی انچ زر اٹھاتی ہیں

مرقع حیدر کرار کا آنکھوں میں پھرتا ہے
سوی میداں عناں کو جب علی اکبر اٹھاتی ہیں

حرم سی آخری رخصت کو آتی ہیں شہ والا
ہمک کر گود میں بانو کی اصغر اُٹھاتی ہیں

جگر جلتا ہی یاد تشنگی شاہ عالم سے
جو آب سرد کا ہم ہاتھ میں ساغر اٹھاتی ہیں

سنا یا جب سکل عبا کو خیر فرمایا
مدینہ سی اب اس کشتی کا ہم لنگر اُٹھاتی ہیں

کہا شہ نے نہ دیکھا ہوگا اتنے دور میں تم نے
ٹھہر جای فلک ہم لاشہ اکبر اُٹھاتی ہیں

انہیں پامال ہو جاتی ہوی آنکھوں سی دیکھا ہے
جو مثل سبزہ نوخیز اپنا سر اُٹھاتی ہیں

ملک کہتی ہیں یہہ ہی ناخدای کشتی امت
جو عابد راہ میں زنجیر کا لنگر اُٹھاتی ہیں

عدو کس طرح کرتی ہیں شہ والا کی مہمانی
کبھی نیزہ لگاتی ہیں کبھی خنجر اٹھاتی ہیں

جگر ہے علقمہ کا پانی پانی شرم کے مارے
مصیبت تشنگی کی شاہ بحر و بر اٹھاتی ہیں

بہت ہم چاہتے ہیں ضبط کر سکتے نہیں سکتا
تلم رکھتی ہیں اکثر ہاتھ سے اکثر اٹھاتی ہیں

حرم چہرے کو چھپا لیتی ہیں اپنے شرم کے مارے
جھکے ہیں شرم سے سر بھی نہیں اوپر اٹھاتی ہیں

حرم کو بہر ذلت اک بھرے دربار میں اعدا
بٹھاتی ہیں سر تیغ و چادر اٹھاتی ہیں

ضعیفی میں جواں بیٹے کا مرنا اک قیامت ہے
کلیجہ تھام کر شہ لاشۂ اکبر اٹھاتی ہیں

کہا بانوئے زینب سے عدو خیمے میں جب آئے
نہیں معلوم اب کیا فتنۂ محشر اٹھاتی ہیں

کبھی اکبر کا غم ہے اور کبھی اصغر کا ماتم ہے
ہمارے واسطے کیا کیا الم سرور اٹھاتی ہیں

صدف ہے چشم دُر ہیں بہا ہیں اشک کے قطرے
ملک مجلس میں ان کو عرش سے آ کر اٹھاتی ہیں

چلو سدؔ روضۂ شہ کو بس وہی آرام کی جا ہے
بہت اب ہند میں تکلیف اے یاور اٹھاتی ہیں

سلام

پاس خاطر پہ نظر اہل نظر رکھتے ہیں
نکتہ چینوں کا نہ بدخواہ کا ڈر رکھتے ہیں

دل میں دشمن کے بھی حاسد کے بھی گھر رکھتے ہیں
کہ نہ دولت ہے نہ ہم کوئی ہنر رکھتے ہیں

جسطرح دشمنِ جانی سے خطر رکھتے ہیں
نفس ابتر بھی اسطرح یا مدد رکھتے ہیں

کیا ہمکا اونکو مرتن سے لشکر رکھتے ہیں
دار فانی کو سمجھتے ہیں گھر رکھتے ہیں

شاہ لپٹائے ہیں سینہ سے اودھر اکبر کو
سہر رخصت یہ ہے اودھر پا ہے سفر رکھتے ہیں

اپنے اعمال سے سچ پوچھو تو مایوسی ہے
ہاں فقط رحمتِ خالق پہ نظر رکھتے ہیں

اگرو ندے پھیلے در کار سے تار انکو نکا
صدف چشم میں ہم چند گہر رکھتے ہیں

گیسو و عارض اکبر کی ثنا کا ہے خیال
لبیں ہم وصیان بھی شام و سحر رکھتے ہیں

گرد نوحوں کو بھگا دیتے ہیں انصار حسین
ایسا دل رکھتے ہیں ایسا جگر رکھتے ہیں

حلہ سر ہو آئے ہیں جب فوج پہ جب تن سے ہی
تو کمر کھول کے اسپ تیغ و سپر رکھتے ہیں

دل تو ٹکڑے ہے کہ ہے حبِ شہنشاہ نجف
مال دنیا کے نہ کچھ پاس نہ زر رکھتے ہیں

ہم گنہگار ہیں بخشش کا سہارا کیا ہے
الفتِ آلِ محمد پہ نظر رکھتے ہیں

کرتے ہیں دل سے خشانِ شہادت پہ نثار
سات پردوں میں چھپا کر جو گہر رکھتے ہیں

شیر زینب کی ہے جنگ اٹھائی ہیں سمند
تیغ پہ ہاتھ ہیں لشکر پہ نظر رکھتے ہیں

شاہ کہتے تھے مجھے جاہ و حشم کی نہیں فکر
کس لیے نفس و حید یا فی شر رکھتے ہیں

رکھے اسطرح جواں بیٹے کو لاشے پہ حسین
کہہ اٹھاتے ہیں کبھی لاشے پسر رکھتے ہیں

پہونچینگے روضۂ شاہ دوسرا پہ یا در
ہم دعا و نہیں اگر کوئی اثر رکھتے ہیں

سلام

چشم سے اشکِ غمِ شہ میں تڑپ کر نکلے
یا صدف میں دُرِ غلطان تھی کر باہر نکلے

جنگ کو حضرت عباس سے دلاور نکلے
کر علم لے کے علیؑ جانبِ خیبر نکلے

میرے اشکوں کے مقابل وہ بھلا ہو تو سہی
قعرِ دریا کو ذرا چھوڑ کے گوہر نکلے

شبِ عاشور قیامت کی عیاں تھی آثار
جھلملاتے ہوئے جب چرخ پہ اختر نکلے

یوں برآمد ہوئے شہ خیمۂ زنگاری سے
دامنِ کوہ سے جیسے شہِ خاور نکلے

آرزو ہے تو یہی ورنہ نہیں موت سے خوف
روح نکلے تو درِ شاہ پہ جا کر نکلے

ضربِ حیدر کا فرشتوں پہ اثر ہے اب تک
کوئی جبریل سے پوچھے تو کہ شہپر نکلے

فوجیں بھاگیں تو کہا ماہِ بنی ہاشمؑ نے
جنگ کو اب پسرِ سعد بد اختر نکلے

قتلِ اعدا سے ہوئی کند نہ شہ کی تلوار
اور بھی تیز ہوئی اور بھی جوہر نکلے

جنگ کی راہ کھلی نہر میں اُترے تشنہ
پھر تو تشنہ علمدار دلاور نکلے

اشکِ غم کا ہے جو رتبہ وہ اگر ہو معلوم
ڈھونڈھتے آبِ بقا کو نہ سکندر نکلے

طفلِ اشک اپنے مچلتے ہیں کہ لڑ کر دیکھیں
کہیں آغوشِ صدف سے کوئی گوہر نکلے

وضع داری ہے اسی میں یہ مومنی کہتے ہیں
جان نکل جائے نہ کہنے سے مگر زر نکلے

ہم گنہگاروں کی بخشش کو بڑی رحمتِ حق
بخشوانے کیلئے جب علی اصغرؑ نکلے

بوسے عباسؑ کے شانوں کیلئے حیدرؑ نے
نہر سے آپ جو منصور و مظفر نکلے

ہوئی میدان میں نمایاں شب روز محشر
جب حرم خیمۂ اطہر سے کھلے سر نکلے

کہا بانوؑ نے کہ دولہا تو بنا لوں تجھ کو
کوئی ارمان تو میرا علیؑ اکبرؑ نکلے

فوج اعدا کو بھگا کر یہہ کہا اکبرؑ نے
جنگ کو واسطے اب قائدِ لشکر نکلے

نکلے انصار کو شہ لیکے وطن سے جسطرح
گل سے بو یا چمنستاں سے گلِ تر نکلے

ماں نے لیں عونؑ محمدؑ کی بلائیں بس پر
دونوں شہزادے جو گھوڑوں پہ برابر نکلے

فیض سے نظم کی ہو نظم میں شہرہ اپنا
قدرداں کوئی زمانہ میں جو یاور نکلے

سلام

عارضِ اکبر خورشید رو کے مقابل ٹھہرے
اک ذرا سامنے آکر مہ کامل ٹھہرے

آکے کوفہ سے ستمگر لبِ ساحل ٹھہرے
جلتی ریتی پہ عطش میں شہ عادل ٹھہرے

تھے جو ساونت نہ حضرت کے مقابل ٹھہرے
سامنے تیغ کے ٹھہرے بھی تو بسمل ٹھہرے

دھو گئی نامۂ اعمال زبوں لشکر نے
نقش بر آب ہوے سب خطِ باطل ٹھہرے

دستِ حرص بھی دنیا میں ہے کیا نا محمود
نہ رکے پائے طلب گر کفِ سائل ٹھہرے

شاہ کہتے تھے دعا کر لوں پئے امتِ جدؐ
رگِ گردن پہ اگر خنجرِ قاتل ٹھہرے

عندلیبِ چمنستانِ نبی ہیں مداح
بے زباں اسکے مقابل میں عنادل ٹھہرے

ہیں یہ ایوانِ سلاطین کہ صفِ نقشِ قدم
راز فانی میں وہ ٹھہریں تو مشکل ٹھہرے

نہ ٹھہرنے کی جگہ تھی یہ سرائے فانی
سر پہ کھیلا کی قضا اور یہ غافل ٹھہرے

فکر عقبیٰ کی رہی ولیس رہا خوفِ خدا
مطمئن خلق میں نہ دور نہ عاقل ٹھہرے

بیبیاں اور یہ گھٹ گھٹ کے یہی تھی تقصیر
جان آجائے اگر سایہ میں محمل ٹھہرے

اشکِ غم چشم میں ایسے آکے ٹھہر جاتے ہیں
جسطرح تھک کے مسافر سرِ منزل ٹھہرے

بیقراری غمِ امت میں سبب تسکیں ہے
مجھ کو آجائے تسلی جو ذرا دل ٹھہرے

ماں یہ کہتی تھی مرا لال یہ اور جنگل ہے
ہائے کیونکر غمِ فرقت میں مرا دل ٹھہرے

بحرِ عصیاں کو تو طلم ہے تیرا دریا یارب
اسکا بیڑہ بھی نہیں اب لبِ ساحل ٹھہرے

قطعہ تاریخ

میرے لائق دوست محمود علی
جن کو حاصل ہے کمالِ دوستی

تھا عزیز از کہ خیالِ علم دوست
اور بھی شیدا لیے جمالِ دوستی

شعر وہی نے جن کے ظاہر کر دیا
دل سے ہے ان کو خیالِ دوستی

جو نصائح کا ذخیرہ بن گئی
ہے سراسر جس میں حالِ دوستی

شک نہیں الحق ہر اک میں ذرا | پند ہے لیکن مآلِ دوستی
مصرعۂ تاریخ یاؔور نے لکھا | لقمۂ شیریں ہے پنہاں دوستی

۱۳۲۹

قطعۂ تاریخ

مثنوی لایق کی یہ بے مثل ہے | اس میں پایا لوئے معنی و بیاں
موتیوں میں تولیے ہر لفظ کو | ہے یہ گنجینہ گہر کا بے گماں
اس کا ہر اک شعر ہے مثلِ صدف | صاف ہے جس میں دُرِ معنی عیاں
قوم کو لایق نے یاؔور بے نظیر | مثنوی پند ہی ہے دُرفشاں

۱۳۲۹

قطعہ

ساتویں تیرہ کیا رشتہ شیر دکن | نام جس میں ضیا نے گوڑ دیا
سے نے دیکھا کہ دیکھے اک اعلان | رشتۂ اتحاد توڑ دیا
تھے بہادر جو دوست گھبرائے | نام لکھنے میں یا فہ چھوڑ دیا

محرر سنہ ۱۳۲۹ ف

سلام

علیؑ مرتضیٰ نے پیش رب جو مرتبہ پایا / وہ رتبہ کب کسی نے جز رسول کبریا پایا

ولائے مرتضیٰ حاصل ہوئی قرب خدا پایا / ملائک کو بھی غبطہ ہو وہ ہمنے رہنما پایا

علیؑ نے رتبۂ اعلیٰ جو پیش کبریا پایا / کسی نے خلق میں پایا تھا ایسا بھی بھلا پایا

حُر غازی نے راہ حق پہ آ کر کیا صلہ پایا / ملی جنت بڑھا اعزاز قرب مصطفےٰ پایا

ہمیں اشکال آساں ہیں کرنا فرق مشکل ہے / خدا کی فضل سے ہمنے عجب مشکلکشا پایا

جناں کا نام سنتے ہیں پہ آنکھوں نہیں دیکھا / مگر ہاں سرزمین کربلا سے کچھ پتہ پایا

تجھے دنیائے دوں کی حرص نے بالکل فنا یا تھا / مگر اچھا مقدر تو نے حرؑ باوفا پایا

ہمیں اعمال بد روکینگے کیا جنت میں جانے سے / ہمیں کیا خوف جب ہمنے علیؑ سا پیشوا پایا

حسینؑ ابن علیؑ نے جو شہادت سے کیا حاصل / کوئی کہدے یہہ رتبہ کس نے پیش کبریا پایا

قدم ہے قائمؑ آل نبی کا دین کا لنگر / جہاز اُمت عاصی نے کیسا ناخدا پایا

ثنا میں آل احمد کی اگر اک بیت بھی کہدی / قبالہ مل گیا قصر جناں کا یہہ صلہ پایا

وفور تشنگی میں تیر سے اصغرؑ ہوئے بیجاں / نہ مرتے وقت بھی افسوس قطرہ آب کا پایا

جہاں میں دوست کم ملتے ہیں [illegible] / جسے دیکھا اسے اپنی غرض کا آشنا پایا

قطعہ

انبہ بھیجے مرے آقا نے مجھے — کون آقا جس پہ ہوں دل سے نثار
نام نامی جن کا ہے بہرام جنگ — جسکے ہیں احسان مجھ پر بے شمار
پہنچنے سے مورد الطاف ہوں — فیض سے جسکے رہا میں کامگار
انبہ بھی کس درجہ ہیں یادر لذیذ — نغز اور پُر مغز شیریں خوشگوار
زینت کلپاک ہے بلقیس باغ — یہہ ثمر ہیں حاصل فصل بہار

اپنے آقا کی کرم سے خلق میں
آج یادر کو ہے عز و افتخار

تاریخ سرفرازی بعہدۂ جلیلۂ صدارت عظمیٰ بمرتبۂ دوم رئیس اعظم دستور معظم عالیجناب معلی القاب مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر دام اقبالہ

چوں دوبارہ صدر اعظم شاد گشت — حاسداں را از حسد شد رنج و غم
مصرع تاریخ یادر نذر کرد — سر یمین السلطنت والا حشم

١٣٣٦ف

مصرع تاریخ تولد فرزند ارجمند جناب مولوی
محمد عبد اللہ یوسف علی صاحب صدر المہام مال

یاور ہماری کان میں پہنچی جو یہ خبر
ہمنے بھی صاف مصرع تاریخ کہدیا

صدر المہام مال کو حق نے دیا پسر
والا شکوہ قوت دل پارہ جگر
۱۳۴ ھ

تاریخ وفات دختر مکرمی سید فضل حسین صاحب وکیل
ساکن پربھنی مرحومہ کا تاریخی نام میں نے
ہادی رکھا تھا

بیٹی فضل حسین کی تھیں یہ
جینے مرنے کی ہے یہہ تاریخ

بیوی زیدی کی حور فردوس
انوری خاتون نور فردوس
۱۳۴۰ ۱۳۱۹ ع

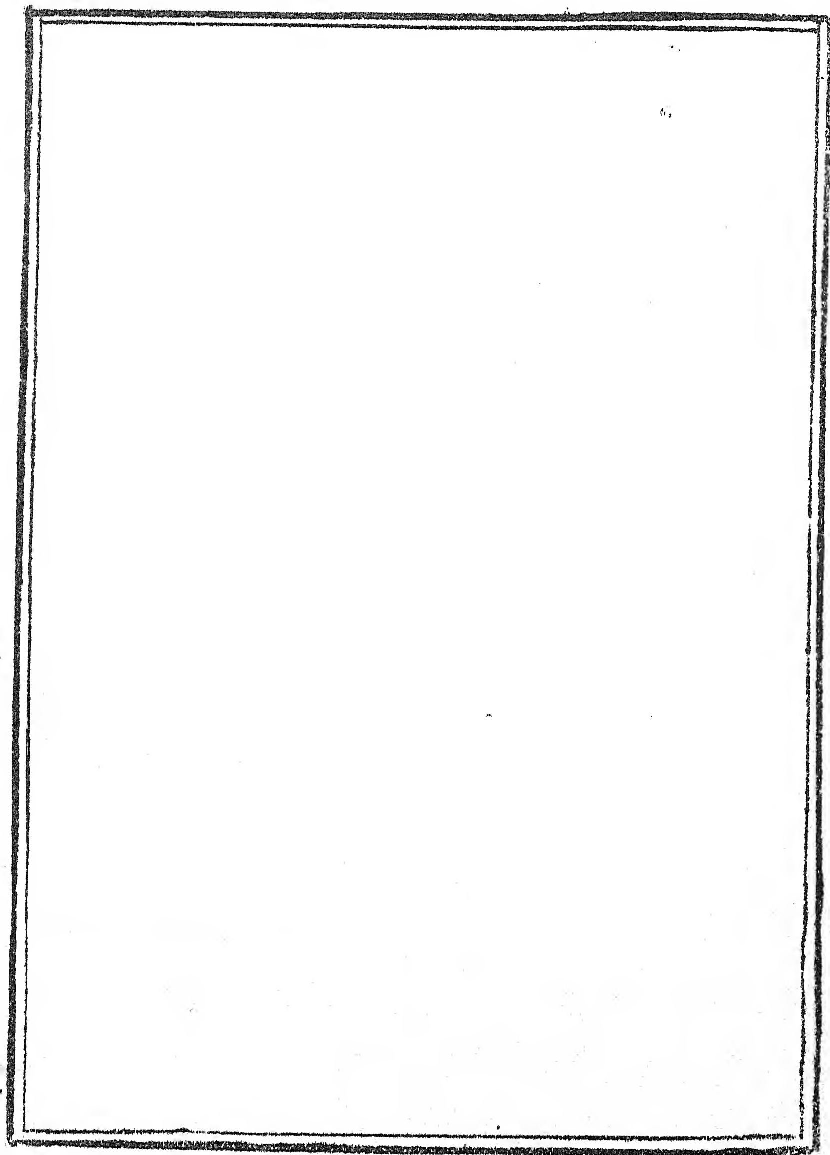
میرے دو بھتیجے اور دو بھتیجیوں کی آپس میں
شادیاں ہوئیں اور میں نے تاریخی خطاب

برخوردار دُلہن دیا اہلِ بصیرت دو کا تعمیہ کریں
تو ہجری اور فصلی دونوں سنہ اس ایک
خطاب سے معلوم ہو جاویں گے

مری بیٹی ہیں دو اور بھتیجیاں دو ہیں
تو صاف یاور خوش فکر نے خطاب پایا

خدا کے فضل سے دیسے شادیاں ہوئیں جو دو جا
سنین فصلی و ہجری کا جس سے ہو گا شما

خطاب ایک ہے صوری و معنوی دو ہیں
ملا دو لفظ دُلہن سے جو لفظ برخوردار
۱۳۱۰ف
۱۳۱۸ھ



۷۸۶



حصۂ دوم

غزلیات

مجھ سے برگشتگیٔ بخت جدا ہو کیونکر — خضر کی طرح کوئی راہ نما ہو کیونکر

جب برائی پہ ہو تقدیر بھلا ہو کیونکر — پھر موافق کوئی تدبیر بھلا ہو کیونکر

شکوۂ ظلم و تعدی و جفا ہو کیونکر — باوفا ہوں نہ مجھے پاس وفا ہو کیونکر

خوبرو یونسی بھلا مہر و وفا ہو کیونکر — فکر انکو تو یہہ ہے جور و جفا ہو کیونکر

ناز و انداز سمجھتے ہیں اگر ظلم و ستم — تو حسینوں سے بھلا مہر و وفا ہو کیونکر

انکے وعدوں کو میں سچ مان لیا کرتا ہوں
قلب مضطر کو سکوں اسکے سوا ہو کیونکر

خاک دل صاف ہو پہنچی جو کسی دست سے رنج
آئینہ میں جو پڑے بال صفا ہو کیونکر

صاف باطن ہو تو کینہ نہیں رہتا دل میں
زنگ آلودہ اگر ہو تو جلا ہو کیونکر

جادۂ علم و عمل ہمکو بتائے کوئی دن
ہم نہ چاہیں تو کوئی راہ نما ہو کیونکر

نعمتیں حق کی تو اتنی ہیں نہیں جنکا شمار
شکر اس عمر دو روزہ میں ادا ہو کیونکر

بدر خود معتقد حسن تھا دو ہفتہ تک
تو مقابل ترے اے ماہ لقا ہو کیونکر

غیر کا آپ بھی محتاج ہے تو اے منعم
تو جو دے صاحب حاجت کو بھلا ہو کیونکر

آنکھ کے پردے تو موسی نے اٹھائے ہوتے
جو ہو محجوب وہ پھر جلوہ نما ہو کیونکر

میری اُلفت کا یقیں تو نہیں آتا تم کو
تم بتا دو کہ کوئی تم پہ فدا ہو کیونکر

امراء القیس عنیزہ کا ستائش گر تھا
اُس سے خوبی کی تری مدح و ثنا ہو کیونکر

لاکھ غلطاں ہو گہر غلطاں رہے کیا ہوتا ہے
تیرے دنداں کی طرح اُس میں جلا ہو کیونکر

فیض سے نظم کے جب تو شرف اندوز ہوا
پھر طبیعت تری یاور نہ رسا ہو کیونکر

غزل

اور دس بیس اگر چاہنے والے ہوتے
ظلم پھر آپ کے دنیا سے نرالے ہوتے

کچھ شوق نے ارمان نکالے ہوتے
دہرا آنچل جو وہ سینہ پہ نہ ڈالے ہوتے

بوجھ اٹھنا تھا یہ مشکل کمر نازک سے
ہاتھ کھینچے وہ جو نہ ہاتھوں سے سنبھالے ہوتے

اپنی کملی میں بسر ہوتی ہے کیا بے کھٹکے
سنتیا کون اگر پاس دوشالے ہوتے

تیر اپنے مری پہلو سے جدا تم نے کیے
کاش ارمان دل زخمی کے نکالے ہوتے

تو نے گرتی ہوئی آنچل کو سنبھالا تو کیا
سینہ جو اٹھتی ہوئے فتنے تھے سنبھالے ہوتے

بدگمانی تری آئینہ پہ ہوتی ہے مجھے
آتشیں رخ کو نہ چھوتا تو نہ چھالے ہوتے

رہ گیا لوٹ کے تو اے دل مضطر یہ کیا
کسی پہلو سے تو ارمان نکالے ہوتے

برف میں رکھنے کی شیشوں کو نہ حاجت ہوتی
سرد مہری سے جو زاہد کی یہ چھپالی ہوتے

تیرا کوچہ جو نہ ملتا تو عبث تھی زینت
چادریں قبر پہ ہوتیں کہ دوشالے ہوتے

قید جب بلبل شیدا کو کیا تھا صیاد
چار پھولوں کے قفس پر تو ڈالے ہوتے

جھلکی دکھلا کے سر بام سرک جاتے آپ
یار گر دل سے نہ عشاق کے نالے ہوتے

ورنہ گردن کا نزاکت کو نہ ہوتا شکوہ
ہار پھولوں کے گلے میں جو نہ ڈالے ہوتے

صاف ہیں بدر تری عارض تاباں ای ماہ
ہالے بنجاتے اگر کان میں بالے ہوتے

سوز غم سے وہ جلا ہوں جو مجھے کرتا قتل
اے ستمگر تری تلوار پہ چھالے ہوتے

مورد شکوۂ احباب نہ تم ہو جاتے
تمنے ارمان جو یاور کے نکالے ہوتے

غزل

سیہ بختی مجھے گھیرے ہے کیونکر دل کو تاب آئے
شب تاریک میں ممکن نہیں وہ آفتاب آئے

تجھے ہم ڈھونڈتے محشر میں با حال خراب آئے
گریباں چاک دل تھامے ہوئے پر اضطراب آئے

لب ساحل پہ تفریح جب تھا ہوش آیا
تڑپیں موجیں کبھی آنکھیں چھپانیکو حباب آئے

کتابہ میری مرقد کا بنا دینا اُسی بامد
جو میری بعد اُنکے پاس سے خط کا جواب آئے

خدا کے سامنے سچ کہنا کیسی آنکھ نیچی ہو
جو میرے نام سے تم کو سر محشر حجاب آئے

تری رحمت کا اور میرے گناہوں کا ہو اندازہ
دعا کرتا ہوں میں جلدی کہیں روز حساب آئے

دل پر داغ کو نکلا ہے نالہ حشر میں لیکر
سوا نیزہ پہ اب دیکھیں تو کیونکر آفتاب آئے

ابھی سے انکے بچپن کی ادا مر جان لیتی ہیں
نہ جانے کیا قیامت ہو اگر عہد شباب آئے

نہ سمجھے منزل مقصود دنیا کو جو عاقل ہے
سرائے دہر میں جو آئے وہ پا در رکاب آئے

خیال یار نے تل بھر جگہہ باقی نہیں رکھی
مری دلمیں خیال غیر کیونکر امی جناب آئی

دکھادیں شمع محفل کو کدھر جاتا ہی پروانہ
خدایا آج اپنی بزم میں وہ بی نقاب آئی

مری آنکھوں میں سراپا کھچ گئی ہی آپکی صورت
جگہہ باقی نہیں ہی غیر کی کسطرح خواب آئی

جو قصد بادہ نوشی رند تیرا اک ذرا کرلیں
تو جنت سی ابھی حور آئی کوثر سی شراب آئی

لیا بوسہ جو عارض کا پسینہ شرم سی آیا
کبھی دیکھا نہیں اسطرح سے کھنچکر گلاب آئی

ضعیفی میں تعشق طفل کنعانی کا کیا معنی
زلیخا دل میں سمجھی تھیں کہ شاید پھر شباب آئی

گلوں کو بھول جائیں بلبلیں سکتے کا عالم ہو
اگر اک روز وہ سیر چمن کو بے نقاب آئی

قطعہ

چلی آتی ہیں واعظ لیجیے گا ہاتھوں ہاتھ انکو
ابھی محفل سی کیا اٹھکر گئی تھے کیا جناب آئی

وہی ہے محفل رنداں وہی آزاد بیٹھے ہیں
مصلے کو بغل میں پھر دبائی کیوں شتاب آئی

یہہ عمامہ یہہ جبہ اور ٹخنوں تک یہہ پاجامہ
عجب برزخ بنائی ہاتھ میں لیکر کتاب آئی

مگر ہاں کنج عزلت میں نہ کچھ دلبستگی ہوگی
جبھی تو کھٹکھٹاتے سبحہ با حال خراب آئی

کسی نے ٹھٹکی پوچھا یہہ تو کہئے حضرت والا
یہہ کوئی پند نامہ ہی جسی لیکر جناب آئی

یہہ سنکر سرنگوں ہوکر بہت شرما کی فرمایا
ریاکاری سی توبہ کی بقصد اجتناب آئی

تمہاری صحبت دلکش سے اب اٹھکر نہ جائینگے
تم اپنے شائق مہوش سے کہدو بی حجاب آئے

جہانمیں جادۂ بد کو ہر اک مسلک بناتا ہے
بہت کم ایسے نکلے جو سر راہ صواب آئے

اکیلا قبر میں پاکر دبایا تمنے یاور کو
نکیرین اب نہ اٹھنا وہ مدد کو بوتراب آئے

غزل

فلک کا دیکھئے انجام کار کیا ہوگا
نکل چلا ہے دل بیقرار کیا ہوگا

امیدوار دل بیقرار کیا ہوگا
ہمارا کوچ ہے اب انتظار کیا ہوگا

میرے گناہ سوا ہیں کہ رحمتیں تیری
یہہ دیکھنا ہے کہ روز شمار کیا ہوگا

کھلی ہوئی ہیں دم احتضار بھی آنکھیں
اب اس سے بڑھکے بھلا انتظار کیا ہوگا

نئی نئی ہے محبت اداس اداس ہیں وہ
یہہ سوچتے ہیں کہ انجام کار کیا ہوگا

تمہارے ظلم تو عشاق پر ہیں بے گنتی
تمہیں بتاؤ کہ روز شمار کیا ہوگا

فقط نئی وہی باقی ہے ملکے خاک میں بھی
بھلا بلند ہمارا غبار کیا ہوگا

جہاں کے قتل کو تیغ نگاہ کیا کم ہے
حضور سرمۂ دنبالہ دار کیا ہوگا

یہہ جانتا تو میں وقت عطائی عزوجل
یہہ پوچھتا کہ دل بے قرار کیا ہوگا

تڑپ تڑپ کے اگر صاعقہ گری تو گرے
مگر جواب دل بے قرار کیا ہوگا

ہزار بار اگر تجربہ ہوا تو ہوا
میری وفا کا اب تجھے اعتبار کیا ہوگا

بروزِ حشر اگر ہوگی پرسشِ اعمال
جواب پھر دلِ بے اختیار کیا ہوگا

ہزار سبحہ کو گردش دی پڑھی استغفار
مگر گناہ تو ہیں بے شمار کیا ہوگا

تمھاری طرح جو اغیار سے ملے کوئی
تمھیں بتاؤ تمھیں اعتبار کیا ہوگا

امید و بیم میں گذری ہے اپنی ساری عمر
بس اب اجل کے سوا انتظار کیا ہوگا

فلک نے پیسکے نابود کر دیا آدر
زمیں پہ پائیگی کسکو فشار کیا ہوگا

غزل
مطلع اول

زبانی جان دینے والے تو یوں اکثر نکلتے ہیں
مگر ہم سے فدائی جانِ جاناں کم نکلتے ہیں

نگہ سے کس کے بچا کوئی تو مژگاں سے ہوا گھائل
ترے تیرِ نظر کے ساتھ سو نشتر نکلتے ہیں

چھری بھی کند ہے جسکی وہ بھی قتل کرتے ہیں
نکلتے بھی ہیں تو ارمانِ دل سو بنکر نکلتے ہیں

زمانہ میں ہوا مشہور اب تو آپ کا کوچہ
کبھی کھنچتی ہیں تلواریں کبھی خنجر نکلتے ہیں

بسانِ ابر ڈیرے ڈالدینگے کوہ و صحرا میں
بہار آئی ہے گھر سے لیکے ہم بستر نکلتے ہیں

تمھاری تیر مژگاں ٹوٹ کر رہ گئی تن میں
اگر دیتے ہیں اک نشتر تو سو نشتر نکلتے ہیں

نکلوایا ہی تم نے اپنے کوچہ سے تو جاتی ہیں
ذرا تم بھی تو آکر دیکھ لو کیونکر نکلتے ہیں

مطلع ثانی

نکلتے کیا نہیں ارمان دل اکثر نکلتے ہیں
کہیں کیا آپ سے کسطرح اور کیونکر نکلتے ہیں

ہزاروں قتل ہونگے دیکھ کر سرمہ کا دنبالہ
قریب تیغ ابرو اور دو خنجر نکلتے ہیں

زمیں ہے تیری کوچہ کی کہ ہے مقتل شہیدوں کا
کہیں لاشے نکلتے ہیں کسی جا سر نکلتے ہیں

مقابل کوچہ سفاک کے ہے حشر کا میداں
بھلا دیکھیں کہاں سے فتنہ محشر نکلتے ہیں

سر شوریدہ کو تھا عمر بھر جو انس پتھر سے
جہاں کھودی لحد میری وہاں پتھر نکلتے ہیں

کوئی تو کہکشاں سمجھا ہے اور کوئی کہتا ہے
تمھاری تیغ ابرو سے عجب جوہر نکلتے ہیں

کسی لیلی ادا کا میں ہوں مجنوں اور وہ مجنوں ہیں
جنھیں لوگ میرا نام لے لیکر نکلتے ہیں

تمھارے در سے اٹھکر یاد رکھنا ہم نہ آئیں گے
پلٹ کر پھر نہیں آتے کبھی اس گھر سے نکلتے ہیں

گلے کٹ جائینگے لاکھوں نکلنے دو ذرا سن کو
ابھی نو عمر ہیں گھر سے کم باہر نکلتے ہیں

ابھی کیا پوچھتے ہو ہم سے آنے دو شب عشرت
بتا دینگے تمھیں ارمان دل کیونکر نکلتے ہیں

زمانہ میں بھلا کیا قدر ہو صاحب کمالوں کی
بہت کم قدرداں ہیں نکتہ چیں اکثر نکلتے ہیں

مقطع

ور محبوب مل جائیگا قسمت کی رسائی ہے
دکن کی سمت خیرآباد سے یاور نکلتے ہیں

کوئی کہدی نہوں اُس شہر پر لوگ پروانہ
کہ موت آجاتی ہے جب چیونٹیوں کے پر نکلتے ہیں

غزل

نفس امارہ نہیں اک دشمن جاں ساتھ ہے
آدمی مجبور ہے ہر وقت شیطاں ساتھ ہے

دل کو بہلانے کو یاد کوئے جاناں ساتھ ہے
وادیٔ وحشت میں بھی بوئے گلستاں ساتھ ہے

وصل کی شب آئی ہے وہ مہر تاباں ساتھ ہے
آج شام آرزو وہ صبح ہجراں ساتھ ہے

شور غم سے قلب مضطر کو نہیں اکدم قرار
جسطرف جاتا ہوں میں یہ درد پنہاں ساتھ ہے

ہم [illegible] غربت میں رہے کے یک قلم
ہاں مگر تیرا تو اے دست وگریباں ساتھ ہے

ہاتھ میں ہے جام اُسکے جام میں ہے عکس رخ
ماہِ تاباں اور خورشید درخشاں ساتھ ہے

ہمنشینی کیلئے کیا کھینچ لایا جذب دل
جان جبتک تن میں ہے تصویر جاناں ساتھ ہے

دل میں گر انساں رکھے خوف تاریکیٔ قبر
پھر اُسے کھٹکا نہیں کچھ نور ایماں ساتھ ہے

ہم تو سمجھے تھے کہ ہم جائینگے تنہا قبر میں
یاس و حرماں ساتھ ہے غم ساتھ ہے ارماں ساتھ ہے

کیا مصیبت ہے کہ فرقت میں نہیں آتی ہے نیند
اور کبھی آئی بھی تو خواب پریشاں ساتھ ہے

لے چلے عشق و جوانی کی ہزاروں داغ ہم
باب پنجم کی بدولت اک گلستاں ساتھ ہے

ہوتی ہے ہر حال میں امید سے تسکین قلب
درد خالق نے دیا بھی ہے تو درماں ساتھ ہے

بے ثباتی دہر کی ہے عارض گل سے عیاں
گو بہار آئی مگر خوف زمستاں ساتھ ہے

قبر کی منزل کڑی ہے اور جانا دور کا
یہ قیامت ہے کہ اسیر بار عصیاں ساتھ ہے

لاش اٹھتے دیکھ کر جاتا رہا ناز و عتاب
بال کھولے اب وہ با حال پریشاں ساتھ ہے

روز روشن ہو گئی یاد رشب تاریک قبر
آفتاب صبح صادق نور ایماں ساتھ ہے

غزل

سنوارے جا رہے ہیں شام ہی سے آج گیسو بھی
ارادہ ہے کہیں کا کہہ رہی ہے چشم و ابرو بھی

دیئے جا ساقیا تیری بلا سے ہو جو اچھو بھی
چھلک جائیگا گر ساغر لگا لونگا میں چلو بھی

کسی کا اٹھ کے جانا کیا قیامت ہو گیا مجھ کو
بگڑ کر میرے پہلو سے دل وحشی چلا تو بھی

نگہ سے تم جلاتے ہو نگہ سے قتل کرتے ہو
تمہاری آنکھ میں اعجاز بھی ہے اور جادو بھی

نہ لگ جائے نظر دل میں مرے وسواس رہتا ہے
نہ دیکھا کر زیادہ جی لگا کر آئینہ تو بھی

چڑھائی جاتا ہی ساغر پہ ساغر بادہ کش تیرا
صراحی کی طرح پیہم ہوی جاتا ہی اچھو بھی

سنا ہی جیسے دیوانہ تری چشم سخن گو کا
تری مجنوں سی باتیں کرتی ہیں صحرا میں آہو بھی

تمھیں انصاف سی کہدو چمک کس میں زیادہ ہے
اسی مٹھی میں دل ہی اور اسی مٹھی میں جگنو بھی

نہیں کب آرزو ہی جان دیں ان مہ جبینوں پہ
مگر کمبخت دلبر ہو کسی پہلو سے قابو بھی

مری الفت کا اندازہ تمھیں ہونا نہیں ممکن
تمھارا تیر ہو جائے اگر دل میں ترازو بھی

تری پند و نصائح مانیں لونگا ناصح ناداں
کسی کا شیفتہ میری طرح سے ہو اگر تو بھی

چمن میں دیکھ کر اسکو جو گل ہوتے ہیں وارفتہ
تو اڑ جاتا ہی رنگ رخ نکلجاتی ہی خوشبو بھی

پس دیوار کیونکر مبتلائی غم تڑپتے ہیں
تماشہ ہی سر بام آکے ظالم دیکھ لے تو بھی

تمھاری زلف سی سنبل پریشاں حال رہتی ہے
تمھاری آنکھ سی شرما رہی ہی چشم آہو بھی

گماں ہر اک کو ہوتا ہی کہ یہ عشاق کے دل ہیں
کسی نے باندھ رکھی ہیں اگر آنچل میں جگنو بھی

شکایت ان حسینوں کی عبث کرتی ہو لی یاور
کبھی تمنے جہاں میں باوفا دیکھے ہیں مہرو بھی

غزل

جنازہ غیر کی کاندھی پہ بے محبوب جاتا ہوں
بھلا اپنی خوشی سے کب میں اتنی دور جاتا ہوں

سرورش اجا ہو کہ اب مجبور جاتا ہوں
تھکا ماندہ ہوں میں منزل کڑی ہے دور جاتا ہوں

پشیمانی ذریعہ زاہد و بخشش کا ہے میرے
عبادت پر تمہاری طرح کیا مغرور جاتا ہوں

تجلی گاہ اسکی دل ہے اپنا اور نہیں واقف
سوئے کعبہ کبھی میں گاہ سوئے طور جاتا ہوں

نکل آتے ہیں زاہد مسجد و نسے دست بوسی کو
تری مجلس سے ساقی ہو کے جب مخمور جاتا ہوں

کسی کو ڈھونڈھ لیتا ہوں میں اپنے خانۂ دل میں
نہ سوئے دیر جاتا ہوں نہ سوئے طور جاتا ہوں

جہاں چشمک زنی کرتا ہے ساغر مہر انور پہ
میں اُس محفل میں بہر اقتباس نور جاتا ہوں

تری محفل سے جب اٹھتا ہوں میں چین اٹھتا ہو
ترے کوچہ سے جب جاتا ہوں میں رنجور جاتا ہوں

نشانی ہے یہی کافی جہانِ بے مروت کی
کہ اپنے ساتھ میں دل میں لیے ناسور جاتا ہوں

جہاں میں ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں تو اے ساقی تجھے
نہ سوئے قصر جنت اور نہ سوئے حور جاتا ہوں

حساب اس مست کا عقل سے وہ لیگا تو کیا لیگا
جہاں ہے نشۂ الفت میں اسکی چور جاتا ہوں

گناہوں پر ندامت اسکی رحمت پھیر دیتی ہے
میں شیشہ کیسا اس سے ہی مسرور جاتا ہوں

ٹھہرتا ہی نہیں دل کو ہوا تا سوا ناصح
خوشی سے کون جاتا ہے وہاں مجبور جاتا ہوں

فرشتے جبہ سائی فخر سمجھے ہیں جہاں یادر
اسی در پہ خدا کو ہے اگر منظور جاتا ہوں



غزل

نہیں آساں ہرگز کوئی قاتل سے گزر جانا
یہاں ہے ہر قدم کے ساتھ جینا اور مر جانا

جناں کو زاہد اور عشق الٰہی کا ثمر جانا
سکھیں گے ہم تو یہہ کچھ بھی نہ تونے بیخبر جانا

یہہ دل کہتا ہے ہم بھی ساتھ چلتے ہیں ٹھہر جانا
یہہ میں کہتا نہیں تجھ سے کہ ہنگام سحر جانا

بنے جسطرح مجھکو یار کے پیش نظر جانا
کہ اس نشتر نے سیکھا ہے کلیجہ میں اُتر جانا

خوشامد کون پھر کرتا اجل کی یا مسیحا کی
جو ہوتا ہاتھ میں عاشق کے جینا اور مر جانا

یہہ کیسا شوق دیدار الٰہی شیاں ہے ادنی ایمن
تعجب ہے کہ اپنی ہی عصا سے آپ ڈر جانا

پریشانی ہے یہہ بھی سو ادائیں ہو گئیں پیدا
یہہ کس سے زلف نے سیکھا ہے چہرے پر بکھر جانا

پھر اب کیوں ہاتھ کچھ پکو روکتی ہو دامن لیکر
ہمارے یاد کرنے کو تو تم نے بے اثر جانا

بڑھایا آتش رنگ حنائی زلف کا گھونگر
نہیں مشکل ہوا اٹھنا ایڑیوں سے تا کمر جانا

کہاں کا عشق صادق نے خدا کا نام ہے زاہد
کہ الفت کا کرشمہ تو نے کب اے بیخبر جانا

قدم خوابیدہ ہیں اغیار سدرہ گر ہمت
یہہ کہتی ہے کہ آئے ہو تو کچھ دنیا میں کر جانا

ملانا آنکھ کا ہی کھینچ لینا دل کو سینہ سے
نظر کا پھیرنا ہے قتل کرنا اور مکر جانا

بھلا یا عہد کی توبہ بھی کوئی توبہ ہے اے زاہد
وہ ہے رند خراباتی نہ اسکی بات پر جانا

غزل

عزیز ہند میں یاور پیام یار رہا
عروج نام کا باعث سپے نثار رہا

گناہ کرکے اگر کوئی شرمسار رہا
تو وہ خطا سے بری پیشِ کردگار رہا

خوشی ہی پرسش اعمال کی خبر سن کر
ہزار شکر کہ میں لائقِ شمار ہوا

وہ بے رخی کا گلہ مجھ ہی سے کہتے ہیں
بغیر بات کیے تو گلے کا ہار رہا

بھلا ہو عالمِ عسرت کا اک جہاں ہے خلاف
کسی سے بات اگر کی تو ناگوار ہوا

خدا کی جان چلی ہے تو بدگماں وہ رہے
کبھی ہوا بھی تو غیروں کا اعتبار رہا

حباب و موج کا ماتم کدہ سمجھ کر اُسے
کنارے بیٹھ کے میں جا کے اشکبار رہا

جو کام اُسے تو اپنے بھلے بُرے اعمال
نہ روز حشر کوئی اور غمگسار رہا

لیا تو قوتِ بازو سے ہم نے کام لیا
کبھی نہ وصفِ اضافی پہ افتخار رہا

مجھے تو اپنے معاصی پہ شرم ہے زاہد
تجھے تو اپنی عبادت پہ افتخار رہا

وہی عزیز وہی دوست اور وہی تھا رفیق
جو وقتِ بد میں کوئی اپنا غمگسار رہا

تلاشِ غیر ہے کیوں تیغ آزمائی کو
جگر بھی آپ کا ہے دل اگر فگار رہا

شبِ فراق کا احساں رہے گا حشر تلک
نہ بار دوشِ احبا کو جسم زار ہوا

ہوی چھپی ہوی خون رخ آندھیوی عیاں — بلند کوچۂ قاتل سے جب غبار ہوا
تمھاری عشق کا سب ازتھا ری دل میں — میں کیا کہوں کہ یہہ کسطرح آشکار ہوا
نہ پوچھیی کہ شب ہجر کسطرح گزری — جگر کو تھام لیا دل جو بیقرار ہوا
بُرا ہو حرص جہانکا تھا نہ پائی طلب — جہانیں گر کف سائل کو کچھ قرار ہوا
جو نہ بچ گیا تری ابرو کی تیغ سی کوئی — تو وہ خدنگ نظر کا ترے شکار ہوا
پھری نظر جو کسی کی تو دل ہوا ٹکڑے — ملی نگاہ کہ خنجر جگر کے پار ہوا
ستم کیا تری نیچی نظر نے محفل میں — کہ تھا جو راز نہاں سب پہ آشکار ہوا
کسی کی ہم جو شکایت کریں تو کیا ناصح — خود اپنی دل پہ نہ جب ہم کو اختیار ہوا
کھلا یہہ حال کہ مختار کائنات ہے تو — خود اپنے دل پہ نہ جب ہم کو اختیار ہوا
کریں نہ قدر اگر اب تو بعد مرنیکے — کھینگے لوگ کہ یادر ہی یادگار ہوا

غزل

مجھ پہ یہہ ظلم نہ ترک ستم ایجاد کرے — میرے ہوتے نہ کسی غیر پہ بیداد کرے
اُس ستمگر سے محبت کا وہ رکھے دعوی — جو کوئی ظلم سہے اور نہ فریاد کرے

مطلع

جو ستم چاہے عنادل پہ وہ صیاد کرے
ایک کو قید کرے ایک کو آزاد کرے

کوچۂ یار میں مر چھپ کے جگہ پائی ہے
خاک میری نہ صبا اب کہیں برباد کرے

کوسنے دیکے مجھے ہنسکے وہ فرماتے ہیں
اور کسطرح کوئی آپ کا دلشاد کرے

ہچکیاں باعث زحمت جو ہوا کرتی ہیں
حکم ہے کوئی نہ بھولے سے مجھے یاد کرے

کسطرح قدر نہ عالم میں ہو اس سعد کی
جو کہ ہر روز نیا اک ستم ایجاد کرے

دست و بازو تو ہیں نازک نہ ابھی سے تھک جائیں
تیز خنجر نہ مرے واسطے جلاد کرے

فصل گل میں تو نہ بلبل کو قفس سے چھوڑا
اور کچھ ظلم جو باقی ہو وہ صیاد کرے

دیکھتی دیکھتی یاد رہ نہ رہے اہل ہنر
ہائے کس کس کو زمانہ میں کوئی یاد کرے

موسم گل میں تو بلبل کو نہ آزاد کیا
فائدہ کیا جو رہا اب اسے صیاد کرے

غزل

کہہ رہی ہے زلف آئینہ کو حیراں دیکھکر
آج کیا اٹھا ہے تو خواب پریشاں دیکھکر

اسکو بھی سودا ہے زلف جاناں دیکھکر
ہنستے تاڑا آج سنبل کو پریشاں دیکھکر

غصہ آتا ہے اسی حیراں کو حیراں دیکھکر
جی نہیں کڑھتا پریشاں کو پریشاں دیکھکر

شوق بڑھتا ہے زلفوں کو پریشاں دیکھکر
رشک آجاتا ہے آئینہ کو حیراں دیکھکر

پہلے رو رو کر جنوں میں کر دیا تھا تار تار — اب تو آتی ہی ہنسی سوئے گریباں دیکھکر
جا کی صحرا میں جنوں کا ہو گیا کچھ اور زور — پاؤں پھیلانے لگی وحشت بیاباں دیکھکر
خوانِ نعمت پر جا نگی ہو گئی یوں ہی بسر — غیض کھا کر رہ گیا مہماں کو مہماں دیکھکر
ابھی کہسار سے آکر ہوا ہی خیمہ زن — میکشی کا صحن میں گلشن کی ساماں دیکھکر
آفتابِ حشر کیونکر اپنی جا سی ہل سکے — ہو گیا ہی محو وہ بھی روئے جاناں دیکھکر
بے ثباتی دہر کی ہیں طفل بھی سمجھی ہوے — مسکرا دیتے ہیں غنچے گل کو خنداں دیکھکر
دورِ گردوں میں حریفانہ ہوئی سکتی بسر — خون سپید رہ گیا انسانکو انساں دیکھکر
دیر تک اپنی اداؤں غور سی دیکھا کیے — ہنس پڑے آخر وہ آئینہ کو حیراں دیکھکر
روک لیتا ہی زلیخا کی سواری جذبِ شوق — بیڑیاں پاؤں میں پڑ جاتی ہیں زنداں دیکھکر
خانۂ تن میں نہ یاد آیا نشیمن عرش کا — قصرِ عالی کو میں بھولا کنجِ زنداں دیکھکر
اسکی قسمت پر مجھے آتا ہی رشک اے آسماں — وصل کی شب جسنے دیکھے روزِ ہجراں دیکھکر
گیا چمکتی آئی تھی بجلی فلک سے سوئے ارض — پھر گئی وہ میری خرمن کو پریشاں دیکھکر
خوف ہوتا ہے ہنسی کے بعد پھر رونا نہ ہو — رک نہ جائے تیغِ قاتل زخمِ خنداں دیکھکر
جانیوالے جائینگے آئی تھی جن کی وہ گئے — کیوں خجل ہوتم سحر گورِ غریباں دیکھکر
ہے یہ مشکل شھو کروں میں بھی آ سکتا نہیں — چال چلتا ہے مرا سروِ خراماں دیکھکر

برق عارض کی چمک سے آنکھ میری کھلگئی - چونک اُٹھا ہیں خواب سے رخسارِ تاباں دیکھکر

ہائے کس سفاک سے دلکو میرے پالا پڑا سر نگوں رہتا ہوں پھر اپنی اماں دیکھکر

ڈرتے ڈرتے آئی تھی تاریکئی قبر اسطرف ہوگئی کافور آخر نورِ ایماں دیکھکر

دیکھنا یاور وہی کل اسمیں آکر سوئینگے پھیر لیتے ہیں جو مُنہ گورِ غریباں دیکھکر

غزل

کیا آرزو قفس میں کرے انتظار کیا اب پھر عندلیب خزاں کیا بہار کیا

دولت پہ بھی غرور عبث افتخار کیا دو دن کی زندگی کا بھلا اعتبار کیا

دیتے نہیں پکارے سے بھی رفتگانِ جواب سب زیر خاک لیگئے دلمیں غبار کیا

کھٹکا کیا جگر میں اُدھر ناوکِ ستم تڑپا کیا ادھر یہہ دل بیقرار کیا

کل میکدہ کا وصف تھا اور آج ذکر خلد زاہد ترے کلام کو ہوا اعتبار کیا

ای قبر جز کفن نہ ترے ہاتھ آئے گا پھر فشار ڈھونڈھتی ہے جسم زار کیا

ہے جادۂ وفا رگِ جاں سے سدا عزیز چھوٹے گا زندگی میں بھلا کوئی یار کیا

واعظ تو پی کے دیکھ لے زاہد سے پوچھ لے ہم میکشوں کا ہوگا تجھے اعتبار کیا

بندِ ہوس میں ہم نہیں رہتے نرگس کی طرح یہہ عنکبوتِ نفس نباتی ہے تار کیا

کس دن وفا ہوا کوئی وعدہ خطا معاف
باور کریں حضور کا قول و قرار کیا

جب انتظار ہی میں کٹی ہے تمام عمر
پھر آگئے جو سینہ میں ہچکی دم اختصار کیا

وعدہ کیا ہے آج بھی فردا کا آپ نے
کیا خوب دل لگی ہے مرا انتظار کیا

اپنا جسے سمجھتے ہیں اپنا نہیں رہا
جب دے دیا تو دل پہ نہیں اختیار کیا

سو بار حال سنکے بھی سمجھے نہ مدعا
کہہ دو خدا کیواسطے پھر ایک بار کیا

تدبیر چل سکی تو کبھی کھینچے نہ ہاتھ
تقدیر تک گزر ہی کہاں اختیار کیا

ہیں بھی نہ عرض حال سے باز آؤنگا کبھی
فرمائیں ہر سوال پہ گو بار بار کیا

وہ آگئے تو کیا ملک الموت رک گئے
کھینچا عوض میں روح کو پھر انتظار کیا

اس شہر میں زبان سمجھتا نہیں کوئی
غربت میں ہم بتائیں پھر اپنا دیار کیا

ہم مست آرزو تھے ملک محو دید تھے
ہوتا مرے گناہوں کا ان سے شمار کیا

تم لاکھ ان حسینوں کے شکوے کیا کرو
یاور تمہاری بات کا ہی اعتبار کیا

سہرا

خدا کے فضل سے باندھا ہے وہ فلک قمر سہرا
کہ جیسے نور عارض سے ہے دونا حسن پہ سہرا

سہرہ اس باغِ جہانمیں آج کس گلرو نی باندھا ہے
نگاہیں چہرۂ نوشاہ پر پڑکر نہ اُٹھتی نہیں
خوشی کا ماں کی اندازہ نہیں ممکن کسی صورت
دکن سی اک بہن اور ایک خیرآباد سی آئیں
یہ بھائی کم نہیں فرزند سی ان دونوں نے جو نیکو
پدر کی جا تھیں ہو میرزا آغا علی صاحب
نے نوشاہ جب آنا تھی تحمل کیا ہے
جواہر صاف اور بی جرم ہیں سہرہ کی لڑیوں میں
ہوا سرشار ایسا دیکھکر رفتار مستانہ
جھکیں آنکھوں پہ سر پر کیوں نہ اسکو دی بھلا نوشہ
دلہن کی پاس سی دلچسپ خبر لیکی آیا ہے
دلہن دولہا ہیں بیٹھی بیچ میں ہی آرسی مصحف
نہ اکتائی طبیعت ہوائی سہرہ کی فرمائش

نہیں پھولوں سماتی خوش ہی مالن گوندکر سہرا
جبھی تو آ کی حاجب ہو گیا بہر نظر سہرا
دعا تھی رات دن باندھی مرا نور نظر سہرا
تمنا تھی کہ جا کر دیکھ لیں بھائی کی سر سہرا
سمجھتی ہیں کہ ہی باندھی ہوئی لختِ جگر سہرا
خوشی کیونکر نہ ہو بھائی کا اپنے دیکھکر سہرا
دکن سی بھیجتی تیار بنا کر ہم اگر سہرا
کہ ہی باندھی ہوئی عالی نسب الاگہر سہرا
جھکا پڑتا ہی ای نوشاہ تیری پاؤں پر سہرا
پیام شادمانی کا بنا ہے نامہ بر سہرا
نہ کیوں سرگوشیاں ہوں جبکہ ہو پیغامبر سہرا
نظر آتا ہی عکس انگن ادھر سہرا اُدھر سہرا
اگر گائے کوئی زہرہ شمائل رات بھر سہرا

ترا باغِ جہانمیں آن یادر ہو گیا شہرہ
بناتی ہیں گل مضموں سی یوں اہل ہنر سہرا

غزل

وحشت میں ساتھ سے دل دیوانہ چھٹ گیا
تنہا ہوں جب سے کوچۂ جانانہ چھٹ گیا

قطع سخن نہ چاہیے ناصح خطا معاف
باتوں میں آپ کی مرا افسانہ چھٹ گیا

اے قیس ایسا راہنما پائیگا نہ پھر
تجھ سے اگر ترا دل دیوانہ چھٹ گیا

گلگیر نے بھی بات نہ پوچھی غریب کی
سر شمع کا قلم ہوا پروانہ چھٹ گیا

امید تھی کہ دل کے بہلنے کو ہوگا ساتھ
جب آیا میں تو قیس سے ویرانہ چھٹ گیا

یوسف کو قید کرکے زلیخا کو یہ بلا
زنداں کی چاہ ہوگئی کاشانہ چھٹ گیا

ہے یاد مجھکو زاہد عزلت گزیں کا قول
ہم پاشکستہ ہوگئے میخانہ چھٹ گیا

غزل

دن فراق یار میں جبتک گزرتے جائینگے
زندہ ہوتے جائینگے ہم روز مرتے جائینگے

اف رے انداز تغافل واہ رے حسن ادا
قتل کرتے جائینگے اور پھر مکرتے جائینگے

اور بھی ہوگی انھیں تیغ آزمائی کی ہوس
شکوۂ بیداد گر ہم اس سے کرتے جائینگے

پھر نہ کیوں اغیار کا تا عرش پہونچے کا دماغ
آپکی نظر دنسی گر ہم یوں اترتے جائینگے

تا قیامت پھر عدم آباد ہے اپنا مقام
اس سرائے دہر میں دو دن ٹھہرتے جائینگے

ہاتھ سے آئینہ رکھنے کی نہ بار آئیگی کیا
زلفیں بنتی جائینگی گیسو سنورتے جائینگے

ہیں تو چھیڑونگا مجھے بھاتی ہے غصہ کی ادا
جسقدر بگڑوگے تم گیسو بکھرتے جائینگے

کہتے ہیں تیر نظر ہم دل کی لے لیں گے خبر
تیغ ابرو کی اگر کچھ زخم بھرتے جائینگے

رحم ہی جائیگا اُس کو بڑا غفار ہے
سامنے خالق کی یاور ڈرتے ڈرتے جائینگے

غزل

وفا کی کیا کوئی امید رکھے اُس ستمگر سے
پھر اک پیماں شکن سے دشمن ایماں سے کافر سے

سلامت سر جو ہے کھٹکا نہیں کچھ انکو ٹھوکر سے
نہ دور اندیش ہیں باہر پاؤں پھیلاتے ہیں چادر سے

یہی اک آرزو ہے تو چھکا دے اپنے ساغر سے
نہ ہمکو کام جنت سے نہ ہم کو کام کوثر سے

مصیبت اپنی کہہ یوں آگئی ہے وہ مقدر سے
وہ تھم جائیں کوئی دم ابر مژگاں اس طرح برسے

کرم کا تیرے سکہ دل پہ ہے کیا کام ہے زر سے
ترے در کے گدا جھک کر ملیں پھر کیوں تونگر سے

بھلا ہوگا بھلا ساقی پلا دے خم کا خم مجھکو
بھلا ہوگا بھلا اس رند کا کیا ایک ساغر سے

مرے لب سے لگا دے تو صراحی ساقی مہوش
نہیں پیتا ہوں چلو سے نہ میں پیتا ہوں ساغر سے

نظر ساقی کی دورِ مے میں پیمانہ پہ رہتی ہے
وہ رندوں کا اشارہ تاڑتا ہے چشمِ ساغر سے

میں ناقوسِ برہمن سے صدا حق کی سنتا ہوں
سبق لیتا ہوں وحدت کا کبھی اللہ اکبر سے

بڑھا تھا فتح کرنیکو کہ پلٹا غیر کی جانب
لپٹ کر رہ گئے ارمان مرے قاتل کے خنجر سے

دکھاتی ہے بہت تدبیر شکلیں کامیابی کی
مگر مجبور ہو جاتا ہے پھر انساں مقدر سے

جو رستہ بھول کر اس سمت آجائیں تو سیریں ہیں
سنا ہے آج نکلے ہیں بہت بن ٹھن کے وہ گھر سے

دکھائیں فکر کی راہیں ہمیں رفتارِ عالم نے
زمیں پہ پاؤں رکھا بھی نہ تھا آغوشِ مادر سے

ہزاروں خواہشیں الطاف پر غیرونکی رہتی ہیں
ہزاروں کام بنتی ہیں زمانے میں اگر زر سے

پسیجا کچھ نہ پتھر سا دل اُنکا واہ ری قسمت
وہ میری اشکباری پر بہت گرجے بہت برسے

نقاب اڑ ڈالی شرم سے بدر اپنے چہرہ پر
ہٹا دو تم ذرا گھونگٹ جو اپنے روئے انور سے

بسر کیا چین سے ہو جبکہ دنیا کی یہ حالت ہے
جدا کرنیکی کوشش ہے برادر کو برادر سے

کسی کا منتظر ہوں اہلِ محشر دیکھنا تم بھی
ابھی فتنے اُٹھینگے سیکڑوں میدانِ محشر سے

تمہاری تیغ یقیں ہے یا عتاب بیجا ئے
تمہاری تیغ کا موتی حُسن میں جڑ بجائے اختر سے

عیادت کو مری کب آئے ہیں یا دوا ہی قسمت
کہ جب اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے اپنے بستر سے

جواب آیا نہ اُنکا چل بسا میں منتظر رہکر
مرا نامہ کھلا کب آہ بازوئے کبوتر سے

ہے معیار شرافت ننگ خرہ رہتا زمانہ میں
کھری کھوٹی کی ہوتی ہے پرکھ خود اُسکی جوہر سے

وہ کس اُمید پر لیجائے اپنی التجا اُن تک
کبھی وہ سیدھے منھ کچھ بات بھی کرتے ہیں یا در سے

غزل

ملانا ہی نظر کا چھیڑ دینا دل کو نشتر سے
نگہ کا پھیرنا ہے قتل کرنا کند خنجر سے

یہہ وہ نالے نہیں جو تھم سکیں گرد دلِ اخضر سے
یہہ وہ آہیں نہیں جو رُک سکیں سد سکندر سے

کسی طائر کو روزی میں ملیں موتی سمندر سے
کسی کو رزق پہونچاتا وہ رزاق پتھر سے

مہک مشکِ ختن کی آرہی ہے عقد گوہر سے
سراسر بس گئی ہیں یہہ تیری زلف معنبر سے

نقابِ رُخ دم قتل آہ قاتل نے نہ سرکائی
کہ مرتے وقت بھی عاشق نظارے کیلئے ترسے

یہہ جتنے پینے والے ہیں بہت مشتاق بیٹھے ہیں
لگی ہے آس ساقی سے لڑی ہے آنکھ ساغر سے

کشش دیکھی کہو دیتی ہے یہہ اُس سے بنا ہو کا
جو مٹی بچ رہی تھی ساقیا کچھ تیرے ساغر سے

جو کچھ ظلم اور کرنا ہوں چلے آنا مری جانب
پشیماں ہوکے ای قاتل پلٹنا ہو جو محشر سے

دل عشاق ہیں حلقہ بگوش انکی یہہ کیا کم ہے
تری کانوں کی بندے بڑھ گئے کچھ شہ کی گوہر سے

دل حباب کی ٹکڑے جو اشک خوں کے ساتھ آئے
تڑپتے ہیں یہہ زیادہ ہوگئے ہیں یاقوت احمر سے

ہے مجمعِ گل خوں کا اور گل زخم جگر خندہ لب
موے مرقد کی گو زینت نہیں ہیں پھول کی چادر سے

یہہ کیا بجلی سی چمکی خرمن دل پھک گیا جس سے
یہہ کس روشن جبیں نے ہاے جہانکا روزن در سے

چھپے مغرب میں جا کر مہر عالم تاب سی کہہ دو
مقابل کیا بھلا ہوگا ہماری ماہ پیکر سے

کسی کے راز دل کا پوچھنا اچھا نہیں مشفق
پھر اک اندوہگیں ہے اور اک مایوس مضطر سے

ستاتے ہو عبث کیا چھیڑتے ہو کیا الہو ہمدم
پریشان خاطری ہے چھٹ گیا ہوں اپنے دلبر سے

بشر کو چاہیے وصفِ اضافی پر نہ اترآئے
نہیں ممدوح عالم مرجع خلق اپنے جوہر سے

دو غزلہ تو نے لکھکر آج اے یاد رقلم توڑا
ترا شیریں سخن کچھ کم نہیں قند مکرر سے

غزل

ہر ایک دیکھ کے اب ناصبور ہونے لگا
شباب آتے ہی سب سے غرور ہونے لگا

جہاں میں حسن کا شہرہ حضور ہونے لگا
حجاب آنے لگا اب غرور ہونے لگا

خدا کی یاد میں زاہد قصور ہونے لگا
کہ شوق حور و خیالِ قصور ہونے لگا

عجب خمار ہے ساقی کی چشم میگوں میں
کہ آنکھ ملتے ہی دل کو سرور ہونے لگا

کشیدگیِ احباء کا گر کیا نہ خیال
تو رفتہ رفتہ دلوں میں فتور ہونے لگا

شباب میں شجر عمر کا خدا حافظ	اب اس چمن میں ہوا کا مرور ہونے لگا
کسی کی سنگدلی کا جہاں خیال آیا	ہمارا شیشۂ دل چور چور ہونے لگا
وہاں تسلی خاطر ہے کامیابی پر	یہاں جو صبر و سکون بھی دور ہونے لگا
یہہ دیکھا ہمنے قدم عشق کا جہاں آیا	کہ بات بات پہ چرچا ضرور ہونے لگا
کسی نے کانمیں یہہ کہدیا کہ مرتے ہیں	سبب یہی کچھہ تو کہ ہم سے غرور ہونے لگا
یہہ کسکو ساقی خود ہمیں نے دیدیا ساغر	کہ شیشۂ دل مایوس چور ہونے لگا
ہمارے دل میں تھا جبتک تھا تیر کشتی ہی	کہاں سے چھوٹتے تیر دست سے دور ہونے لگا
ادھر تو پاؤں میں مہندی لگائی شوخی سے	ادھر امید کا خون بے قصور ہونے لگا
تجھے خدا کی قسم سچ بتا دو ای زاہد	خدا بھی یاد تھا جب ذکر حور ہونے لگا
خبر یہہ دیتی ہیں آآ کے ہچکیاں مجھکو	کہ تیرا ذکر کہیں تو ضرور ہونے لگا
کیا ادا نے کسی بے گناہ کو بسمل	تجھ سے قتل کوئی بے قصور ہونے لگا

بھلا ہوا اس شب تار فراق کا یارو
کہ میرا سایہ بھی خود مجھ سے دور ہونے لگا

غزل

پسند اتنا کیا ہے بلبلوں نے کوچۂ جاناں کو	کہ نفرت ہے گلوں سے چھوڑ بیٹھے ہیں گلستاں کو

نقاب رخ الٹ کر تم دکھا دو مہ تاباں کو
یقیں تو ہے زلیخا بھول جائے ماہ کنعاں کو

تمہارے ابرو کو ظالم نے دکھا کر نوک مژگاں کو
کبھی گھائل کیا دل کو کبھی چھیڑا رگ جاں کو

دم انگشت جب انسے اٹھایا اپنے داماں کو
تو دیکھا شکل گرد اڑتی ہوئی رنگ گلستاں کو

بنایا گوہر شہوار تو نے آب نیساں کو
کیا حیراں تری صنعت نے عقل کیمیاداں کو

قدم آنکھوں پہ رکھے ہیں گیا ہوں جب بیاباں کو
مری تلووں سے الفت ہے بہت خار مغیلاں کو

کیا شرمندہ عارض نے تری ماتھے کی افشاں کو
بھلا تارے سے پہونچی کیا ضیائے ماہ تاباں کو

خدا کے خوف سے نکلے اگر ایک اشک کا قطرہ
گرا دیتا ہے وہ نظروں سے میری در غلطاں کو

نظر اور پھر محبت کی نظر اغیار پر انکی
یہ نشتر چھیڑ دیگا ایکدن میری رگ جاں کو

یہ تو پڑھ سکے ہرگز ماہ تاباں ہو نہیں سکتا
نہ دیتے اس سے گر تشبیہ ہم ابروئے جاناں کو

شب وصلت پریشانی کا قصہ تم نے دہرایا
سنوارا رات بھر اس شوخ نے زلف پریشاں کو

مرے دل نے بہت کچھ گو کہ مجھ سے بیوفائی کی
مگر پہلو میں رکھا عمر بھر اس دشمن جاں کو

مسیحائی میں تم کو شہرۂ آفاق سنتے ہیں
جبھی جانیں اگر زخم دل مجروح کو ٹانکو

ہمارے پاؤں تھکنے سکے نہیں صحرا نوردی سے
جو ہیں ثابت قدم تو ناپ ڈالینگے بیاباں کو

رخ روشن کی ضو سے زخم دل تازے ہوئے میرے
لگا کر کھڑکی پر اپنا آنچل تم اگر جھانکو

جنوں کے جوش میں آتا تھا گھر دم گھر جاتے
کہ سی لیں رشتہ تار نفس سے ہم گریباں کو

بہت رسوائیاں جسکی سبب سے ہو چکیں مجھکو — مجھے پھر لیچلا ہے آج وہ دل کوئی جاناں کو

خریداروں کی خاطر کو وطن چھوٹا کنوئیں جھانکے — ملا تو ایک عاشق عمر بھر میں ماہ کنعاں کو

تماشہ کیا خطا کرتا کوئی سمجھا تو کیا سمجھا — کماں بھی انکی ابرو کی ملی جب تیر مژگاں کو

نگہ ساقی کی ساغر ہاتھ میں لیتی ہی کیا بدلی — یہ عکس مے نے متوالا بنایا چشم فتاں کو

تری ناوک کو میں کسطرح پہلو سے جدا کرتا — کرے صاحب دل جگہ دل میں دیا کرتی ہیں مہماں کو

بہت کچھ رنج و غم کھایا زمانہ کی یہ حالت ہے — جو دیکھا خوان نعمت پر کسی مہماں نے مہماں کو

یہی دیکھا کہ دونوں ایک ہی سی نیند سوتے ہیں — جنہیں چھوڑا قبر میں ہمنے گدا کو اور سلطاں کو

تمہارے ساتھ والے منزل مقصد پہ ہیں آئے — نہ گہری نیند سو واب تو کھولو چشم عرفاں کو

ہوئی کافور تاریکی قبر تارا ہے یاور
لحد میں لیگئے جب ہم بچا کے نور ایماں کو

غزل

احسان کیا یہ گردش لیل و نہار نے — گنج مزار ڈھونڈ لیا سوگوار نے

مہندی لگائی پاؤں میں ہاں اس نگار نے — یہاں خون دل و جگر کا کیا انتظار نے

جب سوئے باغ قصد کیا گلعذار نے — لے لیں بلائیں چھوڑ کے گل کو ہزار نے

لالا کو پھول اُن گلچیں میں بھر دے
زخمِ دلِ حزیں کو پریشان کر دیا
مخفی ہیں حُسنِ گل میں ہزاروں رموزِ عشق
ہیں اور کوچۂ محبت سفّاک ناصحا
آخر ہماری آہ سے آ کر رہی خزاں
ناصح کسی کو دیکھ کے کھوئے ہوئے سے ہیں
ہیں کھچے کھچے صورتِ دیوار ہو گیا
انساں جہاں میں قبلۂ روحانیاں ہوا
میں نے چھپا کے دل میں رکھا انکارِ عشق
ظاہر میں گو نہ گرد کدورت رہی تو کیا
تھا زندگی میں سب کو محبت کا ادعا
کچھ تازگی سی چہرۂ عاشق پہ آ گئی
تو ایک دن بھی وعدہ وفائی نہ کر سکا
دنیا میں اور کوئی ٹھکانہ نہیں اُسے
وعدہ پہ کل کے کیا دلِ مضطر کو ہو سکون

پائی جہاں جہاں سے نسیمِ بہار نے
نکہت جو لی ہے زُلف سے مشکِ تتار نے
سو رنگ بھر دیے ہیں گلوئے ہزار نے
مجبور کر دیا دلِ بے اختیار نے
کچھ دن قفس میں خوب جلایا بہار نے
تاکا تو ہے انھیں نظرِ ہوشیار نے
کھینچا ہے اس طرح کشش کوئے یار نے
سجدہ لیا فرشتوں سے مُشتِ غبار نے
وہاں فاش کر دیا نگہِ شرمسار نے
جب خاک میں ملا دیا دل کے غبار نے
پوچھا نہ بعدِ مرگ کسی غمگسار نے
زخمِ جگر ہرے جو کیے ہیں بہار نے
آخر کو جان دی تری اُمیدوار نے
میرا ہی گھر پسند کیا انتظار نے
جب صبح کر دی آج کسی کے سنگھار نے

زاہد کو ایکدن جو لگا لائے ساتھ ہم
چھوڑا نہ میکدہ کو پھر اُس مفسد ار نے

تھوڑی سی پی تھی واعظ مشفق خدا گواہ
اور وہ بھی توبہ بھول گئے اِس بادہ خوار نے

حلقہ بگوش عارضِ تاباں کا ہو گیا
زینت جو تجھ کو دی گہرِ آبدار نے

پروانے قبر پہ ہیں مری فاتحہ کو جمع
چادر چڑھائی نور کی شمعِ مزار نے

کیا جانے کیا ہوا اُٹھ کے چلے ہیں بیٹھے بیٹھے
دامن پکڑ لیا ہی کسی بیقرار نے

ساقی نے گو چھپا کے دیا جام غیر کو
نیچی نگہ سے دیکھ لیا بادہ خوار نے

یکتائی دہر اُنکو بنایا تو مجھکو فرد
اُنکے غرور نے تو مرے انکسار نے

دریائے نیلگوں میں ڈبویا ہلال کو
کس بانکپن سے ابروی خمدار یار نے

یا رو مدد کے واسطے آئے جو بوتراب
بیکا کیا نہ بال لحد میں فشار نے

یاور تمھاری بات کا ہمکو یقین نہیں
توبہ جہاں میں کی ہی کسی بادہ خوار نے

غزل

ضعف سے لب پہ نہ اک حرفِ تمنا پہونچا
ہائے کس وقت میں بالیں پہ مسیحا پہونچا

لوحِ تقدیر میں جو غم تھا وہ لکھا پہونچا
مری قسمت کا جو حصہ تھا وہ پورا پہونچا

ساری عالم میں ترے حسن کا چرچا پہونچا
ذکر تیرا ہی سنا خلق میں جس جا پہونچا

قدر کرتی ہیں زمانہ میں جو ارباب سخن
میں بھی کچھ شعر لیے آج یہاں آ پہونچا

ہو اگر صبر تو ہو جاتی ہیں پیدا اسباب
پیاس ساحل کی بجھا دینے کو دریا پہونچا

قتل ہونیسے مرا غنچۂ امید کھلا
اُنکے دامن پہ مرا خون تمنا پہونچا

کیوں نہیں دلمیں جگہ تیر کو دیتا ناصح
کسکی چٹکی سے یہ چھوٹا تھا کہاں آ پہونچا

چاند جسطرح سے آئینہ میں عکس فگن
دلمیں اسطرح خیال رخ زیبا پہونچا

پھر گواہی کی نہ محضر کی ضرورت ہوگی
اُڑ کے خوں دامن قاتل پہ اگر جا پہونچا

رات بھر بزم میں ہنگامہ تھا پروانوں کا
شمع جب گل ہوئی پھر ایک شیدا پہونچا

کیوں نہ مقبول ہو پھر حضرت عیسیٰ کیطرح
یہ مرا دل تھا کہ تا زلف چلیپا پہونچا

ہمہ تن نذر ہوا بازیٔ طفلاں کیلیے
میں گلی میں تری پہونچا کہ تماشہ پہونچا

ابھی آنکھوں ہی میں تھا خواب جوانی کا خیا
صبح پیری ہوئی پیغام قضا آ پہونچا

جب ملا حسن کہ اورنگ شہی روز نخست
دل کو ہاتھوں پہ لیے نذر کو میں جا پہونچا

دادخواہ بنکے اُڑی ہوش اسے دیکھتے ہی
ہمہمہ ہو گیا محشر میں کہ وہ آ پہونچا

پہونچیاں تونے پہنائی تو ہیں او مشاطہ
کہیں دیکھ جائے نہ اس شوخ کا پیارا پہونچا

مقتبس مہر ہوا بدر کا کیا ذکر بھلا
تا فلک عکس نقاب رخ زیبا پہونچا

عشق مجنوں سے ہوا فاش جہاں میں ہرچند
دور تک تذکرۂ پردۂ لیلی پہونچا

خواب غفلت سے اٹھو وقت نہیں سونے کا
صبح پیری ہوئی ہنگام سفر آپہونچا

دیکھکر آنکھ ہوا محو میں ایسا یاور
مرے لب تک نہ کوئی حرف تمنا پہونچا

غزل

دل پہ اسطرح ترا تیر نظر بیٹھ گیا
کہ تڑپتا ہوا پہلو میں جگر بیٹھ گیا

مری مرنے کا حسینوں پہ اثر بیٹھ گیا
سر بزانو تو کوئی دست بسر بیٹھ گیا

یا علی کہہ کے جو بے خوف و خطر بیٹھ گیا
تو نکیرین کے دلمیں مرا ڈر بیٹھ گیا

سایۂ عمر میں دم لینے کو ٹھہرا تھا شباب
اک مسافر تھا ذرا زیر شجر بیٹھ گیا

بحر انکار میں گر کر نہ کبھی دل ابھرا
آبرو اپنی لیے مثل گہر بیٹھ گیا

چاہیے منزل مقصود پہ جا کر دم لے
دیکھ پچھتائیگا تو راہ میں گر بیٹھ گیا

ہے خدنگ نظر یار جگر میں پیوست
دل ہے بیتاب طپاں ہے کہ کدھر بیٹھ گیا

چمکیں مہر پہ یہیں حسن نے اللہ اللہ
بام پر آکے جو وہ رشک قمر بیٹھ گیا

سیل گریہ نے کیا دل کو فنا گر تو کیا
یہہ ندامت ہے کہ اک دوست کا گھر بیٹھ گیا

گھر سے نکلینگے نہ وہ در سے نہ میں اُٹھونگا
وہ اُدھر بیٹھ رہے تو میں اِدھر بیٹھ گیا

لے گئی تیری گلی سے نہ ہوائے عالم
خاک پر میں صفتِ نقشِ حجر بیٹھ گیا

جلد منزل پہ چلو آئی ہے پیرانہ سری
وہ مسافر نہیں جو وقتِ سحر بیٹھ گیا

اس سبب سے کمرِ شاخ لچکتی ہی رہی
پھول جب دوش سے اُترا تو ثمر بیٹھ گیا

حال مستقبل و ماضی پہ نظر کی جسنے
فکر میں ڈوب گیا دست بسر بیٹھ گیا

نخلِ مژگاں کی تلے آکے تھا قطرۂ اشک
راہ رو دور کا تھا زیرِ شجر بیٹھ گیا

نہ ہٹا میں تری محفل میں پہونچ کر ساقی
لے کے انگڑائی تو وا دست نگر بیٹھ گیا

وہ بھی سرسبز ہوا ہم نے جسے سینچا اور
خشک مصرعہ پہ اگر مصرعۂ تر بیٹھ گیا

غزل

ہم اسکو لائے تو ہیں آج التجا کر کے
یہ خوف ہے کہ نہ چل دیں کہیں دغا کر کے

بھلائی چاہتے ہیں غیر کا بھلا کر کے
بری ہوئی نہ کبھی اس سے ہم انہیں برا کر کے

ملا جواب نہ کچھ عرضِ مدعا کر کے
میں شرمسار ہوا اور التجا کر کے

سبک ہوا ہیں نگاہوں میں اہلِ محشر کی
کہ انفعال ہوا ہے انہیں جفا کر کے

خطا ہماری ہے ناصح قصور انکا کیا ۔ جفائیں ہم نے سکھائی ہیں خود وفا کر کے

دل اپنا گرد کدورت سے پاک و صاف ہا ۔ اس آئینہ کو رکھا سامنے جلا کر کے

کرم کو عدل پہ ترجیح دی ہے خالق نے ۔ کوئی قصور پہ نادم تو ہو خطا کر کے

خدا کی راہ کا ہم کو پتہ بتایا ہے ۔ بتوں کی عشق میں اس دل نے مبتلا کر کے

ادائیں غصہ کی بھاتی ہیں پھر نہ کیوں چھیڑیں ۔ کہ لوٹتے ہیں مزے ہم انھیں خفا کر کے

تھا میرا نام جو مشہور شیدا لو نہیں ۔ تو لے چلے مجھے کوثر پہ رہنما کر کے

گزر گئی جو گزرنی تھی مجھ پہ ہجر کی شب ۔ مگر فلک کو ملا کیا بھلا جدا کر کے

جو فصل گل کا اٹھاتا ہے لطف اے صیاد ۔ تو دیکھ نغمہ سرائی مری رہا کر کے

برا لگے نہ فلک کو کہیں یہ کھٹکا ہے ۔ ملا ہے آج وہ کافر خدا خدا کر کے

خدا گواہ نہ جائیگا دل سے عشق صنم ۔ ہزار بار جلائے خدا فنا کر کے

کچھ امتحان وفا چاہتا ہے پھر صیاد ۔ قفس کو سامنے رکھا جو ہے رہا کر کے

یہ دام ظلم ہے صیاد کب ہے آزادی ۔ قفس کو سامنے رکھتی نہیں رہا کر کے

ہماری جذب محبت پہ طعن ہوتی ہے ۔ لبھا لیا ہے محبت کا ادعا کر کے

نہ پایا علم بھی یا اور خودی کی ہاتھ سے

پھنسایا جہل مرکب میں خود نما کر کے

غزل

چند دن پہلے یہہ اُنہیں طرز رعنائی نہ تھی
خودستائی یہہ نہ تھی ایسی خودآرائی نہ تھی

ایک آفت تھی شب فرقت کی تنہائی نہ تھی
کلبۂ احزاں میں ڈر کر موت بھی آئی نہ تھی

تھا یہہ طوفان اشک کا بارش ابھی آئی نہ تھی
تھا دہواں آہوں کا یہہ کالی گھٹا چھائی نہ تھی

خوف سے نالاں تھی بلبل گو خزاں آئی نہ تھی
کیوں نہو آخر گل رعنا کی سودائی نہ تھی

روئے روشن کی سوا بلبل سے شیدائی نہ تھی
زلف شبگوں کی سوا سنبل بھی سودائی نہ تھی

میں تو خوگر تھا گراں کچھ مجھکو تنہائی نہ تھی
قبر میں مطلق طبیعت میری گھبرائی نہ تھی

اُس ادا سے بھی دل بیتاب پر بجلی گری
یہہ بھی اُس کافر کی اک شوخی تھی انگڑائی نہ تھی

نابلد تھی عشق کی راہوں سے ہم کیا دن تھی وہ
دل تھا قابو میں طبیعت ایسی سودائی نہ تھی

اے زلیخا عشق خالق کی جگہ یوسف کا عشق
یہہ جوانی اسلئے جا کر پلٹ آئی نہ تھی

خوف بدنامی کا تھا آئی وہ کیوں میری یہاں
ہاں مگر اغیار سے ملنے میں رسوائی نہ تھی

کیوں کوئی تدبیر کی آپسے ملنے کی ہم
پہلے اس تقدیر کی گردش نظر آئی نہ تھی

گلرخوں کا قبر پہ میلا رہا کرتا تھا روز
زیر تربت بھی کلی اس دلکی مرجھائی نہ تھی

آرزو دلکا تھا غنچہ حسرتوں کا تھا ہجوم
زلف کی حلقوں میں دلکو قید تنہائی نہ تھی

کیا ارادہ ہی مری پہلو سی کیوں اُٹھکر چلے
آج جانیکی کہو تم نی قسم کھائی نہ تھی

صحبت اغیار کی تاثیر نے بدلا ہی رنگ
اسطرح پہلے طبیعت انکی ہرجائی نہ تھی

انکو حیرت تھی کہ یہ بسمل ہی یا نقش قدم
اور نہ تڑپنی کی اُدھر مجھہ میں توانائی نہ تھی

محو حیرت آئینہ ہی روی روشن دیکھ کر
اسکو ایسی چاند سی صورت نظر آئی نہ تھی

آپ نی ہیکل جو پہنی لگ گئی ہیں چار چاند
اسطرح سے یہہ کسی سینہ پہ اِٹھلائی نہ تھی

پھنس گئی بلبل قفس میں آتی ہی فصل بہار
چار دن بھی باغ کی اسنی ہوا کھائی نہ تھی

آئینہ چھٹتا نہیں ہی اب تو لیکن پیشتر
تھی تو کچھہ مشق ستم مشق خود آرائی نہ تھی

عشق کا تھا یہہ اثر جو ہو گیا دل پاش پاش
گوش گل تک نالۂ بلبل صبا لائی نہ تھی

دل گو ہی دیر ہا ہی ساتھ آنا قبر تک
میری مرنی کی مگر اسنی خبر پائی نہ تھی

صحبت یاران رفتہ کو نہ پوچھو ہمدمو
خواب تھا وہ درحقیقت انکی یکجائی نہ تھی

اہل محشر ٹکٹکی باندھی کدہر دیکھا کیے
حشر کے دن کیا قیامت آپ نی ڈہائی نہ تھی

حسن ساقی سیکدہ ہی حضرت واعظ ہی یاد
میکشو نیں آپ کی کیا آنکھ شرمائی نہ تھی

عارض رنگین سی مس ہو کر صبا ہی باغ باغ
صحبت گل میں کبھی اسطرح اترائی نہ تھی

شیخ صاحب ہاتھ میں ساقی کی ساغر دیکھ کر
کیا نظر بھی آپ کی للہ للچائی نہ تھی

اُٹھ گئی پہلو سی وہ اندھیر عالم ہو گیا
وای قسمت شام ہجراں تھی سحر آئی نہ تھی

محو تھی ایسی فرشتی قبر میں پوچھا نہ کچھ
میری باتوں سی طبیعت اُنکی اُکتائی نہ تھی

تھا قفس میں یہہ پیام مرگ بہر عندلیب
نکہت گل باغ سی باد صبا لائی نہ تھی

کسنی بلوایا کہاں جاتا ہوں کیوں ہو مجھکو خوف
میری لینے کو وہاں سی کیا قضا آئی نہ تھی

کیوں کہا اُنسی کہ دنیا بھر میں چرچا ہو گیا
راز اُلفت دلمیں تھا جبتک تو رسوائی نہ تھی

ساغر مئے میں ترپ عکس رُخ ساقی کی ہی
مہر و مہ کی شکل یوں اچھا کبھی آئی نہ تھی

میں تو جی جاتا اگر وہ کام کر دیتی تمام
نیم بسمل چھوڑ کر جانا مسیحائی نہ تھی

نزع میں وہ آگئی ہیں نی سنبھالا لی لیا
بات اُنکی رہ گئی میری ابھی آئی نہ تھی

میری بعد تو نی پیا غیر کو اچھا کیا
وضعداری کی یہہ شان ای چرخ مینائی نہ تھی

یاوری ہی شیر کی یاور کو تھا کچھ بھی ہراس
قبر میں مشکلکشا آئی تھی تنہائی نہ تھی

غزل

سخنوروں نی جو تھوڑی سی قدردانی کی
تو داد لی گئی یاور کو خوش بیانی کی

عدو ہوئی ہی یہہ جب سی مری جوانی کی
نہ بھائی پھر کوئی شئی اس سرائی فانی کی

نہیں ہی اس ہوا اس جہان فانی کی
ہوس نہیں ہی مجھے عمر جاودانی کی

نہ آئے گر وہ عیادت کو واسطے نہ سہی
اثر جو طور پہ ہونا تھا وہ تو ہو کے رہا
ہوئی گلوں کو خجالت تڑپ گئی بلبل
وہ بیوفا ہے تو کب دل ہے باوفا اپنا
ملکہ وہی خانۂ دلمیں نہ بھول کر بھولے
اگرچہ کرتی ہیں خودداریاں حسیں تو کریں
ہوئی وہ شہرۂ آفاق اور لبس نہ چلا
جناں ہے آپ کا کوچہ کہاں زلیخا نے
گلو نکو اب تو لبھائیگی عندلیبِ چمن
میں کیا کرو دل جو سمجھ جائیں تاڑنیوالے
تمھارا ہاتھ ہوا اور تیغ بھی تمھاری ہو
طبیب خوف سی رکھتی ہیں نبض پہ ہاتھ
محبت آپکو مجھ سی ہے مانے لیتا ہوں
نہ اپنے زخمِ جگر کا کبھی علاج کیا
ہمارے اشک نہیں موتیو نکا اک فوارا

کیا نہ موردِ احساں یہہ مہربانی کی
مگر کلیم نہ اب لینگے لن ترانی کی
جو مسکرا کے کبھی اُسنے گل فشانی کی
جبھی تو دونوں نے اپنیں قدسوانی کی
تمھاری یاد کی یوں ہمنے میہمانی کی
نہ رک سکینگی اُمنگیں مگر جوانی کی
ہزار حُسن سے انکی نگاہبانی کی
وہیں سے آئی تھی اُن تک ہوا جوانی کی
کہ ہم سے طرز اُڑائی ہے خوش بیانی کی
تمھارے عشق کی دل نے نگاہبانی کی
فقط یہی ہے دوا میری سرگرانی کی
کہ بارہ ہوگا یہہ حالت ہے ناتوانی کی
نہ کھائیگا قسم پھر کبھی جوانی کی
یہہ مجھکو قدر ہوئی آپکی نشانی کی
گلے لگا کے انھیں جب گہر فشانی کی

ہماری دلمیں کھچی ہے حضور کی تصویر
نہ ہم کو فکر ہے بہزاد کی نہ مانی کی

وہ آئے باغ میں سب بلبلوں کا جھرمٹ ہے
یہہ بندھ گئی ہی ہوا گلشن جوانی کی

وہ آنہ جائیں کہ رسوائی ہو زمانے میں
خبر پہونچ نہ گئی ہو مری سنانی کی

ہماری قبر پہ چادر چڑہائی آتا کون
گیاہ سبز نے کچھ بڑہ کے مہربانی کی

تمھاری عشق نے سب کچھ سکھا دیا ہمکو
نہ اب بیان کی حاجت نہ ہی معانی کی

لٹایا قبر میں گر قبلہ رو تو خوب کیا
اسیطرف ہی گلی اپنے یار جانی کی

جو چشم فیض کرم سے وہ دیکھ لیں اک بار
تو آب آئینہ میں لہر ہو روانی کی

ملی ہی آج کی شب تو بڑی تمنا سے
حضور خوب کہی آپنے کہانی کی

اسی کو کہتی ہیں توبہ شکن سن اے زاہد
صفت بیان ہو کیا آب ارغوانی کی

یہہ فیض نظم ہے یاور کلام کیا اپنا
کہ اب جہانمیں شہرت ہی خوش بیانی کی

غزل

فسوں ہی کونسا جو چشم فتنہ گر میں نہیں
وہ سحر کیا ہی جو اُس شوخ کی نظر میں نہیں

یہہ کس کی ضعف و نقاہت کا حال ہی مرقوم
کہ آج قوت پرواز نامہ بر میں نہیں

ہے خلق و حلم کا سکہ قلوب عالم پر
پسند کیوں نہ کروں میں انکی قسادر اندازی
یہہ میری حال نے مجھکو گرا دیا افسوس
سوال وصل کی پہلو تو صبح تک بٹھلے
بسی رہیں دل زاہد میں خلد کی حوریں
یہہ اک کرشمۂ مخفی ہے خلق و احسان کا
ہم اپنی کلبۂ احقر پہ کیوں نہ فخر کریں
بھلا ہوا اس غم و ستم کا کہ بہہ گئی دریا
عدو سے آنکھ لڑی حال دل ہوا معلوم
ادا پہ انکی گلے کٹ رہے ہیں لاکھوں کے
جہاں کے راز نہفتہ کہیں جو مست ہو
چمک ہے عارض روشن سے نتھ کے موتی ہیں
دعا وہ دل سے نہیں جو کہ مستجاب نہو
میں اس سے چاند کو تشبیہہ دوں تو کس منھ سے
تم اپنا ہاتھ ہٹاؤ نہ اپنے سینہ سے

یہہ زور اور یہہ قوت تو سیم و زر میں نہیں
خدنگ تیرے لیں نہیں یا مرے جگر میں نہیں
نظر میں انکی زمانہ ہے میں نظر میں نہیں
وہاں زباں سے نکلی تو رات بھر میں نہیں
خدا گواہ یہہ سودا ہمارے سر میں نہیں
مہک گلوں میں سراسر ہے اور زر میں نہیں
ہماری گھر میں ہو تم ہم تمھاری گھر میں نہیں
وگرنہ اشک کا قطرہ بھی چشم تر میں نہیں
کبھی منھ اپنا چھپاتے ہیں ہم سپر میں نہیں
ستم تو یہہ ہے کہ خنجر ابھی کمر میں نہیں
قدم بڑہا کے ہٹے راہ پر خطر میں نہیں
یہہ آب و تاب تو دیکھی کبھی گہر میں نہیں
وہ یاد کیا ہے جو ڈوبی ہوئی اثر میں نہیں
تکلف تو نام کو رخسار سیمبر میں نہیں
کہ دل کو ہو گئی تسکیں خلش جگر میں نہیں

جو اولاد ہو تو بہتر ہی ورنہ ای یاآدر
ہے زیست تلخ اطاعت اگر پسر نہیں

غزل

گرد احباب ہیں حسرت سی نظر کرتے ہیں
پھر کے آنیکی نہیں ہے وہ سفر کرتے ہیں

کب بھلا مڑ کے سوی دہر نظر کرتے ہیں
جانیوالے تو قیامت کا سفر کرتے ہیں

نالۂ صبر شکن یہہ تو اثر کرتے ہیں
دلکو اُس بھولنے والے کی خبر کرتے ہیں

دیکھتی ہیں کبھی حسرت سی ہم ارمانوں کو
اور کبھی یاس سی ہم دلپہ نظر کرتے ہیں

آکے تو دیکھلے اکبار تمنا یہہ ہے
ہم غم ہجر میں کسطرح بسر کرتے ہیں

اپنا گرویدہ وہ کر لیتی ہیں اغیار کو بھی
دلمیں اخلاق و مروت سی جو گھر کرتے ہیں

ناوکوں نے تری چتکی سے ادائیں سیکھیں
دل میں در آتی ہیں رخ سوی جگر کرتے ہیں

اُف تری تیر نظر اُف تری ترچھی چتون
جس سی جانبازِ زمانہ کے حذر کرتے ہیں

خود حسیں ڈھونڈھتی ہیں اپنی خریداروں کو
چاہ کنعاں سی سوئی مصر سفر کرتے ہیں

دیکھتے ہیں کوئی بسمل تو نہیں محفل میں
آئینہ دیکھ کے ہر سمت نظر کرتے ہیں

آرزو کیوں کوئی رہ جائی ہماری ہوتے
ہے مہم قتل کی آج اُسکو بھی سر کرتے ہیں

مسکرا کر یہہ کہا غیر سے دیکھا جو مجھے
ہم تو سنتے تھے کہ نالے بھی اثر کرتے ہیں

ملک الموت ہیں یہاں نزع میں شرمائینگا
ہے مناسب جو وہ آئینے سے حذر کرتی ہیں

کشتیِ عمر رواں غرق ہوئی جاتی ہے
آج طوفان بپا دیدۂ تر کرتے ہیں

تیغِ ابرو کا اشارہ ہے مرے قاتل سے
آپ تلوار عبث زیب کمر کرتے ہیں

پہلوؤں میں بھی خلش قلب و جگر کی سی ہے
کروٹیں لے کے ہم اسطرح سحر کرتے ہیں

تیرے عاشق ہیں سمجھ جاتی ہیں محشر والے
دامنِ حشر کو اشکوں سے جو تر کرتے ہیں

بام پر اپنے وہ آتے نہیں اللہ اللہ
بستر اب ہم پس دیوار اگر کرتے ہیں

رخِ انور سے ترے فیض پہنچ جاتا ہے
پاسبانی جو ترے شمس و قمر کرتے ہیں

آبِ نیساں کا وہ قطرہ ہے جگر ٹکڑے ہے
کب مرے اشک نظر سوئے گہر کرتے ہیں

اپنی زلفوں ہی کی خوشبو سے ہوا ہے دھوکا
مشک و عنبر کی وہ تعریف مگر کرتے ہیں

تو ہی کرتا ہے ہمارے غم و ہم کو ہلکا
قسم ہم دل سے تری دیدۂ تر کرتے ہیں

اے زلیخا ترے اشکوں کے سبب میں خدمات
دامنِ حضرت یوسف کو جو تر کرتے ہیں

قدرداں جب نہ زمانہ میں رہے اے یاور
رخ سوئے ملک بقا اہل ہنر کرتے ہیں

چل کے یاور کو سنو حضرت ضامن کے یہاں
سنتے ہیں قدر بہت اہل نظر کرتے ہیں

غزل

کروٹ اگر زمانہ نے لی ہے لیا کرے
جو بے خبر ہیں وہ تو نہ چونکیں خدا کرے

جو خفتہ بخت ہیں انھیں ہوتی ہی کب خبر
کوس رحیل سر پہ بجے تو بجا کرے

منزل کو قافلے ہیں رواں اور یہہ محو خواب
ہشیار اُنکو اور صدای درا کرے

غفلت ہی یا در نیند کی ماتی ہیں بے خبر
ہوتی ہے الرحیل کی شورش ہوا کرے

سوتی ہیں اینڈ اینڈ کی گو وقت صبح ہے
اللہ اس نسیم سحر کا بھلا کرے

سُنتے نہیں یہہ صور سرافیل بھی پھکے
ہر چند شور حشر قیامت بپا کرے

انگڑائی لیکو اُٹھے ہیں اصحاب کہف بھی
منشور حشر خلق میں جاری ہوا کرے

لرزے ہیں ہول جان تلاطم میں ہیں بحار
کل ممکنات دہر کو خالق فنا کرے

ہے پاس صبح پھٹ گری آسماں تو کیا
کروٹ نہ لیں نہیں تہہ و بالا رہا کرے

نیزی سے کچھ بلندی پہ ٹھیرا ہے آفتاب
یہہ جانتی ہیں صبح ہوئی ہی ہوا کرے

اچھا ہی آپ سوئیے اور خوب سوئیے
رونا ہے کیا ہنسے جو زمانہ ہنسا کرے

کیوں گوش حق نیوش تک آئی خطاب کے
بیدار قوم آپ کا گو مضحکہ کرے

مردہ سی شرط بد کی جو سوئی ہو سوئے جاؤ
اتنی تو لاج قول کی اپنی رہا کرے

یا قدر نہ بار خاطر احباب ہو کہیں
جلتا ہی دل جو حالِ جہاں پر جلا کرے

غزل

عشق ستم سی باز نہ آئیں خدا کرے
وہ قتل کرکے ہو نہ پشیماں خدا کرے
شاہو نسی بھی وہ باج مقرر لیا کرے
وہ کیا خیال پرسش یوم جزا کرے
جو موجد ستم ہو جفا پر جفا کرے

انکی بلا سے کوئی مرے یا جیا کرے
کچھ اور خون شوخیٔ رنگ حنا کرے
کوچہ کا تیرے جسکو مقدر گدا کرے
جو روز ایک فتنۂ محشر بپا کرے
اُس سنگدل سی کون اُمیدِ وفا کرے

مطلع

صدمے سہا کرے کہ قیامت بپا کرے
ہم جانتے ہیں ناصح مشفق ردِ جواب
جب کام بن پڑا تو گیا ہاتھ کام سے
تعریف کرکے حسن کی خوش کر دیا تو کیا

رنجور دل ہی کیا نکرے اور کیا کرے
قابو میں دل نہو تو کہو کوئی کیا کرے
تقدیر کے بگاڑ کو تدبیر کیا کرے
انکو تو چھیڑ کر کوئی باتیں سنا کرے

اب دل کو پرفشانی پروانہ پر ہی رشک
اس شعلہ خو کو دیکھ کے کیونکر جلا کرے

کہتا ہی رشک دل سی نہ اتنا اداس ہو
ممکن نہیں کسی سی وہ کافر وفا کرے

اغیار پر ستم بھی گوارا نہیں ہمیں
جی چاہتا ہی روز وہ ہم پر جفا کرے

صیاد پر کتر چکا آیا کرے بہار
رکھی قفس میں قید وہ اب یا رہا کرے

جلوہ ترا کہاں نظر آتا نہیں ہمیں
دیر و حرم میں جا کے بھلا کوئی کیا کرے

ہم شہریوں کو چاہیے کچھ یاد رفتگاں
میرا ذرا خیال رہی جو پیا کرے

وارفتگانِ عشق پہ ہوتا ہے کیا اثر
ناصح تمام عمر نصیحت کیا کرے

میری لحد پہ لا کے چڑھا جائے چار پھول
اتنا سلوک تو کبھی بادِ صبا کرے

چھریاں لگاؤں آج کلیجہ نکال کے
ہر روز کون جا کے جگر کو سیا کرے

پروانے اُنکے حسن کے گردیدہ ہوگئے
جلتی ہی شمع بزم میں آکر جلا کرے

وارفتہ ہو کسی کا یہہ ناصح تو لطف ہے
میری طرح اُسے بھی خدا مبتلا کرے

ہاں یہہ علاج دل کی زخود رفتگی کا ہے
لازم ہے چشم تر اُسے چھینٹے دیا کرے

محشر کے روز رحمتِ حق ہوگی پردہ دار
کھلتا ہے زیر خاک کفن تو کھلا کرے

جاتی ہیں پھر رقیب کہاں دیکھنا یہہ ہے
آئیں ہمارے گھر میں وہ اک دن خدا کرے

جنت میں بدلی حور کی ملجائے تو مجھے
اللہ مستجاب یہہ میری دعا کرے

تیرا گمان ہوتا ہے یا ورنہ ہے نصیب
انکی گلی میں جاکے جو کوئی صدا کرے

غزل

مانا کہ ہمیں رسمِ وفا بھی نہیں آتی
افسوس کہ تم کو تو جفا بھی نہیں آتی

گر ہو نہ مروت تو حیا بھی نہیں آتی
آئینہ ہو اندھا تو جلا بھی نہیں آتی

سچ بھی ہوا گر عیب کسی کا نہیں کہتے
جھوٹی ہے تعریف و ثنا بھی نہیں آتی

آساں نہیں اغراض کے پھندے سے نکلنا
بے اُسکے کبھی یاد خدا بھی نہیں آتی

جس دن سے ہمیں قتل کیا ہائیں اُسنے
رسوا ہے گلشن سے حنا بھی نہیں آتی

تم جانتے ہو حرص سے آزاد گدا ہیں
اُن تک تو قناعت کی ہوا بھی نہیں آتی

کون ایسا ہے وہ پھول چڑھا جائے جو آکر
مرقد پہ میرے بادِ صبا بھی نہیں آتی

آزاد ہوا خلق میں وہ بعد ہمارے
پابندیٔ ظالم کو حنا بھی نہیں آتی

جب دل ہے شکستہ تو نہیں لطف فغاں کا
ٹوٹے ہوئے شیشہ سے صدا بھی نہیں آتی

خضر آئیں مرے گھر نہ پھریں جان بچاتے
تنہائی وہ ہے ڈر کے قضا بھی نہیں آتی

ساحل پہ نظر ورطۂ غم میں دلِ محزوں
اور پاس مرے موجِ فنا بھی نہیں آتی

یہ خوبی قسمت کہ وہ اس درجہ خفا ہیں
حصہ میں مرے اب تو جفا بھی نہیں آتی

جو ظلم کریں شیشۂ دل پر وہ بجا ہے
ایسا ہی شکستہ کہ صدا بھی نہیں آتی

حوروں کا بیاں اور وہ پھر ہوتا ہی کس سے
واعظ تجھے رندوں سے حیا بھی نہیں آتی

کیا قافلۂ شہر خموشاں کا ہوں جو یا
کوسوں مجھے آواز درا بھی نہیں آتی

بس شربت دیدار کا طالب تھا یہ بیمار
کیسے ہو مسیحا کہ دوا بھی نہیں آتی

وہ کوسنے دیتی ہیں تجھے دیکھکے یاور
اور لب پہ تری کوئی دعا بھی نہیں آتی

غزل

ہم تو سمجھے تھے محبت ہوگی
یہ نہ معلوم تھا آفت ہوگی

غیر سے میری حمایت ہوگی
یہ بھی اک اس کی شرارت ہوگی

آپ کے حسن کی شہرت ہوگی
ہاں مگر کس کی بدولت ہوگی

اک نگاہِ غلط انداز سہی
اتنی بھی کیا نہ مروت ہوگی

آپ اور عہد کا ایفا کریں
بھول جانے ہی کی عادت ہوگی

سنتے ہیں جاتے ہیں میخانہ کو
آج واعظ کی بری گت ہوگی

تاڑ جائیں نہ مرے عشق سے لوگ
اُنکی کیا چاندسی صورت ہوگی

آپ سچ کہتے ہیں ماشاءاللہ
جھوٹے وعدونکی نہ عادت ہوگی

ابھی بوٹا سا ہے قد فتنۂ حشر
کچھ بڑھے گا تو قیامت ہوگی

جو رہی خلق میں ناکام سدا
سچ تو یہہ ہے مری قسمت ہوگی

آئینہ غور سے کیا دیکھتے ہو
اس میں اک چاندسی صورت ہوگی

سُن لیا حال تو احسان اُسکا
آگیا گر تو عنایت ہوگی

آرزوئے دل وحشی مت پُوچھ
شرم آجائیگی خفت ہوگی

چھوڑدوں عشق صنم گر ناصح
روز پھر کسکو نصیحت ہوگی

میں چھکوں پیر مغاں خوب کبھی
ہاں ترے خم میں کرامت ہوگی

دیکھ لوں کہہ کے تمنائے دلی
اور کیا ہوگا ندامت ہوگی

باندھ کر تیغ وہ آئے تو ہیں
دیکھیے کس کی شہادت ہوگی

خوگر بادیہ پیمائی ہوں
گھر کو جاؤنگا تو وحشت ہوگی

لے بھی لو بوسہ رخ ای یاور
خیر چپکے تو شکایت ہوگی

غزل

کسی کو سدھ نہیں اپنی یہہ محویت کا نقشا ہے
تماشائی ہی محشر اور وہ محشر کا تماشا ہے

کہوں کیا ناز ادا حوروں کا تیری دلبری سے وا ہے
خیالی صورتوں پر مرنے جینے کو یہہ دنیا ہے

مگر تا ہی وہ محشر کو بھی سمجھا ہی کہ دنیا ہے
اگر چتون یہہ کہتی ہی کسی کو مار ڈالا ہے

نہ غیروں کی طرح پوچھو ذرا پہلو میں آ بیٹھو
کلیجہ سے لگا لوں پھر کہوں کیا کیا تمنا ہی

ہٹا کر ہاتھ سینہ سی تڑپنا دیکھ دل کا
کس انداز تغافل سی وہ کہتی ہیں کہ کیا ہے

خیال عارض تاباں سی روشن ہو گیا تھا گھر
مگر پھر زلف مشکیں یاد آئی پھر اندھیرا ہے

ڈبو دیتا ہی دلکو جب کوئی آنسو نکلتا ہے
مجھے ہر قطرۂ اشک تمنا جوش دریا ہے

تم اچھے اور تمھارا شیوۂ عاشق کشی اچھا
ہماری زندگی کیا آرزو کیا مدعا کیا ہے

یہہ کس لیلی ادا کی آگ اس مجنوں کو غیرت تھی
جہاں میں رونق باغ جہاں جس آج صحرا ہے

حسیں ہیں طالب عشاق تیری حسن کی آگے
یہہ جنس حسن کا دنیا میں ارزاں آج سودا ہے

بچھاتا ہوں نیں آنکھیں پاؤں کی صحرا نوردی پر
مری ہر اشک کا قطرہ مری تلووں کا چھالا ہے

زباں تک حرف مطلب آ نہیں سکتا سمجھتا ہوں
مگر اتنی تمنا ہی وہ پوچھیں آرزو کیا ہے

خدا حافظ عبث کڑھتی ہو میری بیقراری پر
مجھے تو رات بھر اب کروٹیں لینا تڑپنا ہے

نہ پوچھو اے ہمنشیں سینہ سی کیوں لپٹا لیا میں نے
بسا ہی بوئی زلف عنبریں سی یہہ تکیا ہے

تعلق عشق کا وہی چھپائی سی نہیں چھپتا — محبت کا ہماری اب تو قصہ اک عالم میں چرچا ہے

نشاں ہو راہ میں یوں پاس حسرت کا لحد یا در
یہہ کہتی کی نہیں حاجت کہ یہہ کسکا جنازہ ہے

غزل

خوشی دم بھر کو آ نکلی مری گھر میں تو غم آ نکلی — مصیبت جو پڑی بدقسمتی سی دیر پا نکلی

کسی پر پیا تسی اُسکی اگر تیغ جفا نکلی — میں تڑپا اور تڑپ کر دیسی آہ شعلہ زا نکلی

توقع تھی مجھی اُمید سی کچھ ساتھ دیدیگی — مگر وہ بھی عذاب جاں ہوئی اور بیوفا نکلی

یہی دیکھا چلی آئی ہیں خود معشوق گھر بیٹھے — اثر میں ڈوب کر دیسی اگر آہ رسا نکلی

معطر یوں ہوئی گلشن گرا اُسکی رنگا ہو نسے — تری کوچہ سی اٹھلاتی ہوئی باد صبا نکلی

پھرا صحرا بہ صحرا چھوڑ کر گھر سختیاں جھیلیں — مگر میری لیے ظالم نہ تیری دل میں جا نکلی

ہر اک مشکل ہی آساں ہاں جسے قلب مشکل ہے — اثر اللہ نے بخشا اگر دل سے دعا نکلی

علاج اپنی مرض کا عمر بھر میں موت کو پایا — جو قابو میں نہیں افسوس وہ اپنی دوا نکلی

محبت میں کرامت عذب کی کچھ تھی یہہ خالق سنتی — محبت وکشش نکلی محبت دل ربا نکلی

سوال اُس سے کیا منہ تو انداز نظر بدلا — نظر انداز ہونی کو زباں سے اِلتجا نکلی

دعا حور و قصور و خلد کی لیتے ہی ای زاہد
تقاضے وہ ہوا کی تھی سب تبھی یادِ خدا نکلی

وہ انکا بچپنا وہ سادگی آنکھوں میں پھرتی ہے
مگر جب سن بڑھا قتال عالم پھر ادا نکلی

تجاہل کیجیے کب تک جو کہتے ہیں نہ سمجھو ایسے
بھرا اچھا جو محفل میں نظر کچھ آشنا نکلی

لیا تھا بوسہ جب لب پہ پھر کبھی تم نے کیا غصہ
نگاوٹ اس ستم ایجاد کی یا اور دعا نکلی

غزل

ہمنشیں پہلو سے چھوٹا اب رہا ہمکو غم نہیں
اپنے دلکا ہی یہ رونا غیر کا ماتم نہیں

دور ہی کعبہ تو ہو مجھ سے دل کچھ کم نہیں
خیر گنگا جل تو ہے گر چشمۂ زمزم نہیں

اپنے صانع کی ہے مصنوع کو اتنی تو فکر
آج تک ہی جام گردش میں کہ دور جم نہیں

کھنچ کے آتی ہیں جگر سے اشک غم ہجر میں
خون کے ٹپکے ہیں دونوں دیدۂ پرنم نہیں

خوف حق کچھ بھی نہیں اللہ رے تیکھہ کلام
کیوں قسم کھاتا ہے ظالم کیا قسم میں دم نہیں

سبز رنگوں کا نظارہ ہی طراوت بخش ہے
زخم دل کیواسطے زنگار کا مرہم نہیں

کیا کریں کعبہ کو جا کر دیدۂ دل تو ہیں پاس
یہ خدا کا گھر نہیں یا چشمۂ زمزم نہیں

میرے جی کی چھلک آئی تھی کیا احسان تیرا
دیکھ لے ساقی کہ تیرے جام میں کچھ کم نہیں

اپنی ہست و بود پر روتا ہے سبزہ باغ کا … سبز پتوں پر نمایاں قطرۂ شبنم نہیں

ساتھ تھا بچپن سے جن کا تا لحد پہنچا گئے … کنج تنہائی میں کوئی مونس و ہمدم نہیں

تیرے ابرو کی کماں نے جو خالق نے دیا … خوشنما اتنا ہلال عید میں بھی خم نہیں

حور طلعت کوئی ساقی مسکرا کر جام دے … جب تو میں جانوں کہیں گر قبلۂ عالم نہیں

کون آیا ہے خدا جانے پئے سیر و شکار … آہوان دشت کو بھی آج تاب رم نہیں

عشق نے کیا شکل بدلی ایک چھپا ہو گیا … آئینہ دیکھا تو حیراں ہو گئے وہ ہم نہیں

حشر ہو یا نشر ہو پرسش ہے اعمال کی … ہے اگر مشکل کشا یاور تو کوئی غم نہیں

غزل

کیا تلاطم ہے جہاں میں چین اب اک دم نہیں … کون ہیں وہ صحبتیں دنیا میں جو برہم نہیں

بات میں اک بات کا پہلو مجھے مل جائیگا … اپنے مطلب کی سمجھ لونگا کہو مبہم نہیں

وہ کشیدہ تھی تو قابو میں دل پر غم نہ تھا … عید ہے ہم کو مزاج یار جو برہم نہیں

ہے توکل کا خزانہ پاس پھر کیا چاہیے … یہ بڑی دولت ہے گو دینار و درہم نہیں

لن ترانی ایک گوشہ میں کھڑی سنتے تھے ہم
وہ سمجھتے تھے کہ محفل میں کوئی محرم نہیں

اس سرائے دہر میں کیا آئے ہم اور کیا چلے
چار دن مل بیٹھ کر گذری اگر باہم نہیں

نام اور ہو حیات جاوداں گر چاہیے
نام تو ہے آج تک زندہ اگر رستم نہیں

نیم بسمل تو بھی اے خنجر قاتل نہ چھوڑ
اس کا ابرو دیگا یہ طعنہ کہ تجھ میں دم نہیں

ڈوب کر بحر مناہی میں تو دامن تر چلے
اک پلک اشک ندامت سے مگر پرنم نہیں

شکر کر رزاق عالم کا توکل چاہیے
تیری قسمت کا جو لکھا ہے وہ بس کم نہیں

ہے بقا گندم کی جبتک آسیا سے دور ہے
صحبت ناجنس یاؔور موت سے کچھ کم نہیں

غزل

باغ سے میں جانب کوہ بیاباں بڑھ گیا
جیب گل کو دیکھ کر وحشت کا ساماں بڑھ گیا

یاس و حسرت کے سوا قاتل کا پیکاں بڑھ گیا
خون پینے کو مرا اک اور مہماں بڑھ گیا

کہہ رہے تھے اور کچھ میری مکافات عمل
پردہ پوشی کو مگر رحمت کا داماں بڑھ گیا

مطلع

میرے دُرِّ اشک سے کب دُرِّ غلطاں بڑھ گیا
ابر مژگاں سے مرے کب ابر نیساں بڑھ گیا

چلتے چلتے اس جوانی نے کیا اچھا سلوک
جھک گئی آخر کمر وہ بار عصیاں بڑھ گیا

ضو دُرِ دندان قاتل کی ہے گویا چاندنی
مسکرا کر جب نظر کی زخم خنداں بڑھ گیا

کلک قدرت نے تمہارے ہاتھ کھینچا وہ نقش
جب ہٹا سینہ سے وہ پھر درد پنہاں بڑھ گیا

شمع کشتہ ہے مرا دل اب کہاں وہ گرمیاں
سرد آہوں سے چراغ زیر داماں بڑھ گیا

جیسے مکتب میں وہ بیٹھا خلق بھیجی پھر سبق
دیکھنا استاد سے طفل دبستاں بڑھ گیا

جب نگاہیں مل گئیں گھائل ہوئے قلب و جگر
دل کے برمائی کو اسکا تیر مژگاں بڑھ گیا

میرے اعمال حسن یا سنگ بھی نکلے نہ آہ
اسقدر بار معاصی پھر میزاں بڑھ گیا

ہاتھ ڈالا تھا زلیخا نے رہے یوسف الگ
اپنے سر لینے کو پیراہن کا داماں بڑھ گیا

ہو گیا سکتہ سا مالک کو ہٹا پچھلے قدم
حکم سے خالق کے جب میں سوئے رضواں بڑھ گیا

تیرے مجنوں کو ہوا صحرا نوردی کا جو شوق
پھر پابوسی ہر اک خار مغیلاں بڑھ گیا

مر ہوا کر دیں لینے لگے اللہ رہی یاد
بھول کر جب وہ سوئے گور غریباں بڑھ گیا

صحبت رنداں میں جا نکلے تھے زاہد ایکدن
دیکھئے اسدن سے کیسا نور ایماں بڑھ گیا

اک قیامت آگئی دنیا میں کھلبل پڑ گئی
فتنہ محشر بنا جب قد جاناں بڑھ گیا

کب کسی بلقیس طلعت نے دیا کاندھا مجھے
کب مری تابوت سے تخت سلیماں بڑھ گیا

سچ تو یہ ہی جذب الفت کھینچ لایا مصر تک | ورنہ کیا خود گام فرسا ماہ کنعاں بڑہ گیا

سب دہر پلٹے بنی جبدن سی یاد ترک لحد
مرقد مجنوں کا اُسدن سی چراغاں بڑہگیا

غزل

سرد سرد آہوں سی جوش چشم گریاں بڑہگیا
آندھیاں چلنے لگیں کچہ اور طوفاں بڑہگیا

سوا منگیں بڑہ گئیں جب عقد جاناں بڑہگیا
چاہنے والے کی دلمیں حد سی ارماں بڑہگیا

بیخودی کے سب کرشمے تھے نہ تھا قابو میں دل
کیا کہوں میں قدم کیوں سوئی درباں بڑہگیا

اس قدر انداز ای ناوک فگن کیا چھپا
تیر چٹکی میں رہا تا قلب پیکاں بڑہگیا

بے طلب دیتا تجھی اللہ ای سائل مگر
تھی ترے دل کی یہ کوتاہی کہ داماں بڑہگیا

ہیں کرشمے حسن کے ظاہر زناں مصر پر
مہر عالم تاب سی بھی ماہ کنعاں بڑہ گیا

مل گیا فرماں اُسی عشاق کا خوں ہو معاف
جب حنا بندی کی خاطر دست جاناں بڑہگیا

بڑہ گئے صحرا نوردی سی جو تلوو نمیں شگاف
بخیہ گر نے کو ہر ایک تار گریباں بڑہ گیا

پا بگل حیرت میں شمشاد و صنوبر رہ گئے
سر پریشاں کیمرا سرو خراماں بڑہگیا

کشتۂ تیغ ادا کا زندہ کرنا تھا محال
ابن مریم سی مرا عیسیٰ دوراں بڑہگیا

مثل ماہ عید شہرت اس سے تجھے نہیں ہے مری
انگلیاں اٹھنی لگیں جب اک گریباں پڑ گیا

اور کوہ طور پر جا جاکے رہیے منتظر
اشتیاق دید کیوں موسی عمراں بڑھ گیا

وحشت دل لیچلی ہے کو خدا جانے کہاں
عرصۂ محشر سے بھی کچھ آج میداں بڑھ گیا

اپنی خودداری سے رہتی تھی زلیخا دور ورنہ
جب ذرا چوکی قدم خود سوی زنداں پڑ گیا

خط لکھا ہی انھیں سے مگر کیسا جواب
ایک نامہ اور بھی طاق نسیاں پڑ گیا

دل جلوں کی وجہ سے گرمی بازار حسن
مشتری جب ہم ہوئی تو حسن خوباں بڑھ گیا

فکر میں وہ ہیچ نظروں نے مجھے دیکھا کیے
حشر میں جب سرنگوں میں پیش یزداں اٹھ گیا

چاہنے والوں کی اچھی قدر کی ہے مرحبا
ظالموں سے نام تیرا آفت جاں بڑھ گیا

کیا بھلا نار نظر ٹھہر سکے اتنا تو ہے
چین کے افشاں جلوۂ رخسار جاناں پڑ گیا

نظم کا یہ فیض تھا اور قدر افزائی بھی تھی
رتبہ پایا ور جو پیش ہر سخنداں بڑھ گیا

غزل

مناسب کیا ہے ناصح چھیڑنا رنجور و ششدر کو
پھر اک اندوہگیں کو غمزدہ کو اور مضطر کو

تری ابرو سکھا دیتی ہیں پرشش تیغ و خنجر کو
سبق دیتی ہے یہ نوک مژہ ناوک کو نشتر کو

غم و ہم یاس و حرماں کو جگہ دیں دلمیں تیا ہوں
کہ یہہ آباد تو رکھتی ہیں اس اجڑی ہوے گھر کو

غنی رکھتی ہی انساں کو توکل بھی دولت ہے
نظر اپنی اٹھا کر ہمنے کب دیکھا تونگر کو

نہ آغوش صدف کیوں واسطے مچلے دُرِ غلطاں
لطافت بخش دی جب عارض تاباں نے گوہر کو

دوشالہ اوڑھنا اور سینت کر رکھنا مصیبت ہے
نہ دیکھا کرم خوردہ تو کبھی گاڑھے کی چادر کو

مجھے اُس ساقی کافر ادا سے کیا توقع ہے
جو آجائی تو آجائے مروت چشم ساغر کو

اسی حسن کُن سے مجمع ہو گیا ہے سر فروشوں کا
چھپا کر اپنے دامن میں لے آئی ہاں خنجر کو

وہی ہو کر رہیگا جو لکھا ہے لوح قسمت میں
پلٹ سکتا نہیں تدبیر سے کوئی مقدر کو

فقیر اللہ کے منعم مگن ہیں اپنی کملی میں
بھلا وہ کیا سمجھتے ہیں تری زرتار چادر کو

یقین کر لے کہ اُڑ جائیگی سب اے ساقی نادان
نظر بھر کر جو زاہد دیکھ لیگا تیری ساغر کو

جو میں نے آئینہ دیکھا تو عکس رُخ بنا ہمدم
ہوئی تسکین تنہائی میں کچھ مُضطر سے مُضطر کو

خجالت بار عصیاں سامنا کسکا قیامت تھی
بڑی مشکل سے ہمنے طے کیا میدان محشر کو

محبت آزما اُس سنگدل کے ظلم ہیں ناصح
کسوٹی پر لگا کر دیکھتے ہیں جسطرح زر کو

پئے تفریح وہ سرو رواں جب باغ میں آیا
اکڑتی پھر کبھی دیکھا نہ شمشاد و صنوبر کو

عجب عبرت فزا اس باغ عالم کا نظارہ ہے
کبھی گلچیں کو دیکھا اور کبھی ہمنے گل تر کو

اُٹھا وہ ابر وہ سنکی ہوا وہ بوندیاں آئیں
اری او بے خبر ساقی اُٹھا لا جلد ساغر کو

نیا تو نگا کہیں سے آج ساقی پی کر آیا ہے
کہ رند خم پڑا پھرتا ہی خالی لیکے ساغر کو

تپش کس میں سوا ہے اہل محشر دیکھ ہی لینگے
مرے داغ جگر کو اور پھر خورشید محشر کو

لکیریں کچھ زمیں پر کھینچتا ہے اور مٹاتا ہے
تری فرقت میں اچھا مشغلہ سوجھا ہی نادر کو

غزل

حال دیکھا نہیں جاتا ترے سودائی کا
دل پہ قابو ہے نہ یارا ہے شکیبائی کا

جب زباں زد ہوا قصہ ترے سودائی کا
ہو گیا خلق میں شہرہ تری رعنائی کا

حشر میں صانع قدرت نے بلا کر اس کو
امتحاں لے لیا اک ایک تماشائی کا

تیرہ بختی سے دیا ساتھ نہ سایہ نے بھی آہ
حال کیا پوچھتے ہو عالم تنہائی کا

کم ہوئی مشق ستم جب تو بڑھی منہ کو چڑھا
شوق پیدا ہوا ظالم کو خود آرائی کا

میری تقدیر دیا کرتی ہے الٹی تعبیر
دیکھ لیتا ہوں کبھی خواب جو یکجائی کا

آستان در جاناں کا نشاں تک نہ رہا
ہو گیا خاتمہ اب اپنی جبیں سائی کا

بیوفائی کا گلہ سنکے وہ فرماتے ہیں
تم کو چاہیں تو ہمیں خوف ہے رسوائی کا

اپنے بیمار کا سمجھے نہ مرض کیا کہنا
اور پھر آپ کو دعوی ہے مسیحائی کا

اس گل سرسبد حسن کا دل ہی بلبل
باغ عالم میں جسے فخر ہے یکتائی کا

رخ روشن کی ضیا پہ ہی عیاں قوس قزح
کیسا دلچسپ ہی نقشہ تری انگڑائی کا

داد دیتا ہی مری دل کے تڑپ جانے کی
روک لینا ترا آتی ہوئی انگڑائی کا

وہ جماہی پہ مرے یاروں کا برہم ہونا
یہ بیساختہ آنا مجھے انگڑائی کا

سنسنی ہوگئی عاشق کی رگوں میں پیدا
ڈھنگ دنیا سے جدا ہے تری انگڑائی کا

ہے یقیں مانی و بہزاد قلم رکھ دینگے
کیا اتارینگے وہ خاکہ تری انگڑائی کا

پڑ گئی جسکی نظر قلب و جگر تھام لیا
ہے یہ چلتا ہوا جادو تری انگڑائی کا

میرا ہو کر نہ رہا نشۂ مے ای ساقی
کچھ جماہی کا ہوا کچھ تری انگڑائی کا

تیغ ابرو سے بچے جو وہ ہدف ہو انکا
ہے اشارہ سے مژگان کی صف آرائی کا

آئینہ ہاتھ سے چھٹتا نہیں دم بھر یاور
انکو اس درجہ بڑھا شوق خود آرائی کا

غزل

ساتھ دکھ درد میں بھائی بھی نہ دی بھائی کا
قصہ ہے تو زمانہ میں یہہ دانائی کا

پھر بہار آئی ہوا جوش جنوں پھر پیدا
دل کو پھر شوق ہوا بادیہ پیمائی کا

دشت و در سب پے تعظیم بگولے اُٹھے — اب تو رتبہ یہہ بڑھا آپکی سودائی کا

میں تو رحمت کا طلبگار تھا لی جنت — رہ گئے وہ جنھیں غرہ تھا جبیں سائی کا

پھر چھوڑا ہی سے نہ چھوٹیگا زلیخا تا حشر — داغ دامن پہ جو رہجائیگا رسوائی کا

ناتوانی کا بھلا ہو کہ بہت کچھ چاہا — قافیہ بند ہوا نہ سکا ہم سے توانائی کا

اُنکے آنے کی جو پاتا ہی یہہ بیمار خبر — دوڑ جاتا ہی اثر دلمیں توانائی کا

حسن بڑھ [illegible] محفل میں قیامت چھائی — دل کھچا جاتا ہی ہر ایک تماشائی کا

حسن یوسف کا اثر تھا تو زلیخا تک تھا — آج ہر دل پہ ہے سکہ تری رعنائی کا

آئی وہ چشم غزالیں کی کشش وقت شکار — چوکڑی بھولنا وہ آہوئے صحرائی کا

آپ دل دیکھے جو یادر کو سنا کرتے ہیں
شکر کرتا ہی وہ اس مرتبہ افزائی کا

غزل

درد دل شام ہی سے آج سوا ہوتا ہے — صبح بھی ہوتی ہے یا دیکھیے کیا ہوتا ہے

روز عاشق پہ جو ہو ظلم تو کیا ہوتا ہے — اور بھی خوگر انداز جفا ہوتا ہے

جب کوئی شیفتہ ناہ لقا ہوتا ہے — انگلیاں اٹھتی ہیں انگشت نما ہوتا ہے

عشق میں کون یہہ کہتا ہی مزا ہوتا ہے — تلخی موت سے بھی وہ تو مزا ہوتا ہے

شرط لازم ہی کہ احباب کا دل صاف رہے — جسطرح آئینہ پابند صفا ہوتا ہے

عمر بھر فکر کا اور عقدہ مشکل کا ہی ساتھ — کہیں ناخن ہی بھلا گوشت جدا ہوتا ہے

ہوتا ہی ابر گہربار کا کانٹوں کو گماں — رہرو وحشت جو یہہ آبلہ پا ہوتا ہے

خون ہو جاتا ہی ساقی تری میخواروں کا — جب تری ہاتھ میں کچھ رنگ حنا ہوتا ہے

جوش رحمت ہی ادھر کثرت عصیاں ہی ادھر — روز محشر بھی ہی اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

چارہ گر ناصح ناداں کیطرح ناداں ہے — مجھ سا بیمار بھی محتاج دوا ہوتا ہے

جان آجاتی ہی بڑہتا ہی کلیجہ ہاتھوں — بھول کر بھی وہ مخاطب جو ذرا ہوتا ہے

بیوفائی کا تمھاری نہیں شکوہ مجھ کو — اور جو ہوتا ہی مقدر سے گلا ہوتا ہے

دل نالاں کو ہی کچھ دادرسی کی امید — لوگ کہتے ہیں کہ نالہ بھی رسا ہوتا ہے

غیر پر تیغ کچھے رشک سے ہم کٹ جائیں — امتحاں اہل وفا کا یونہیں کیا ہوتا ہے

کوچۂ یار سے ہوتی ہوئی آجاتی ہے — ترا احسان یہہ اے باد صبا ہوتا ہے

انکی محفل میں ہمیشہ جو برا مجھ کو کہے — صورت لطف و عنایت وہ سدا ہوتا ہے

جب میں جانوں کہ وہ دل تھام کے خود آجائیں — امتحاں آج ترا آہ رسا ہوتا ہے

دل دھڑکتا ہوا تھم جائے جو ہاتھ رکھیں — یہہ اثر ہوتا ہے جب دست شفا ہوتا ہے

اف رے ذوق ہدف ناوک قاتل یاور
دل پکڑ لیتا ہوں گر تیر خطا ہوتا ہے

غزل

ان مہوشوں کو حسن جگر سوز گر دیا
آہوں میں عاشقوں کی بھی حق نے اثر دیا

منعم ہیں سب حریص جو خالق نے زر دیا
کشکول کو گدا کے توکل نے بھر دیا

گر اُسکے دلکو ظلم سے قدرت نے بھر دیا
تیر اُس کو گر دیا تو ہمیں بھی جگر دیا

رحمت خدا کی تجھ پہ ہو اے جوش انفعال
اشکوں نے میری سرد جہنم کو کر دیا

اکدن بھڑک کے خانۂ ہستی جلائے گا
روشن رہا یہ تو نہیں تہ دامن اگر دیا

کام آو بیکسوں کے کرو یہ امور خیر
اے منعموں اسی لیے خالق نے زر دیا

دلکو جلا کے خاک کیا حسن و عشق نے
دو دو تہوں نے برق کی صورت شرر دیا

افشانہ راز وصل کہیں ہو یہ خوف تھا
اُس ہوشیار نے مجھے دیوانہ کر دیا

واعظ کو میکدہ سے پئے وعظ اب پسند
اتنا تو حق نے بادہ کشی میں اثر دیا

انمول کہتی ہیں جسے خوبانِ دہر بھی
یہ کس کے نخل قد نے انوکھا ثمر دیا

جس میں ہمیشہ آپ کی اُلفت بسی رہی
اُس دلکو حیف آپ نے پامال کر دیا

ہنگامۂ نشور میں کرتا ہے کون جانچ — ہم نے تو لا کے دفتر اعمال میں دھر دیا

ساقی میں فیض چشم حقیقت سے سمجھ گیا — تو نے جو میری جام سفالی کو بھر دیا

بل کھا کے زلف جب رخ روشن پہ آگئی — حلقوں نے تیری زلف کے عکس قمر دیا

قاصر ہوں کس زباں سے بجا لاؤں شکر رب — مجھکو مری امید سے بھی بیشتر دیا

تل بھر جگہ رہی نہ حسرت کے واسطے — یوں رنج و غم سے اسنے مرے دل کو بھر دیا

رو رو کے کی بات کہا نہ برا مان زاہدا — دھمکوں کا خوف دکھلی ہیں جبکہ سر دیا

سینہ پہ ہاتھ رکھتی ہتی تسکیں ہوئی مجھے — زخم جگر کو دست حنائی نے بھر دیا

پابوس ہو سکے نہ وہ دل قید میں تھے — گھونگھرے گیسوؤں کو جو بل تا کمر دیا

تو ایسا بدحواس ہوا رعب حسن سے — نامہ بھی میرا آہ نہ اے نامہ بر دیا

ہیں فیض برشکال سے بیخوار سب پچنت — نیساں نے گر برس کے دیا تو گہر دیا

حکم قضا سے قتل ہوا ہیں تو ناصحا — الزام اس کی تیغ پہ بیکار دھر دیا

یاور کو اپنی طبع رسا سے گلہ رہا — مضموں نہ ایک بھی بے ہئے اہل نظر دیا

غزل

میں اس بت پہ کیوں مبتلا ہو گیا — یہ مجھے آج کیا اے خدا ہو گیا

کرو دل کیا خدایا یہہ کیا ہوگیا
وہ مجھ سے خفا بے خطا ہوگیا

وہ کیوں ہائے مجھ سے خفا ہوگیا
قصور اُس کا بندہ سے کیا ہوگیا

جو ہونا تھا وہ ناصحا ہوگیا
بھلا ہوگیا یا برا ... ہوگیا

میں سمجھا ہوئی مجھکو صحت نصیب
مرض جب مرا دیر پا ہوگیا

پرستش تری کیوں عبادت نہو
ترا حسن شان خدا ہوگیا

بھبوکا ہوا وہ مجھے دیکھ کر
تو کچھ تیز رنگ حنا ہوگیا

نظر میں سمائے نہ شاہان دہر
تری در کا جب میں گدا ہوگیا

ادا میری قاتل کی دلکش جو تھی
میں خود اٹھکے اُس پر فدا ہوگیا

ستانے سے کیا فائدہ ہمنشیں
کہوں کیا میں کس سے جدا ہوگیا

جو کل تک لگاوٹ سے کرتا تھا بات
وہی آج مجھ سے خفا ہوگیا

مجھے لے چلا کوئے قاتل میں پھر
الٰہی مرے دل کو کیا ہوگیا

زلیخا چلی لاکھ ... دامن کشاں
مگر داغ اک بد نما ہوگیا

اڑا لائی تو نکہت کوئے یار
یہہ احسان ترا اے صبا ہوگیا

جو بے سنت خلق مجھکو ملا
تو قالین مجھے بوریا ہوگیا

ہوئی گرمئی حشر یاد رخ دو
جو اک جام کوثر عطا ہوگیا

غزل

مرا دل جو تھا آپ کا ہو گیا
میں حیران ہوں کیا سے کیا ہو گیا

بڑھا قد تو محشر بپا ہو گیا
کچھ اب اور طرز جفا ہو گیا

دل اپنا کہیں مبتلا ہو گیا
جو قسمت میں تھا ناصحا ہو گیا

ادھر رخ جو قاتل ترا ہو گیا
مرا بس وہی خون بہا ہو گیا

ترا جام گر غیر کا ہو گیا
مرا کام پھر ساقیا ہو گیا

جو دانا تھی جن جن کے پیا انہیں
یہہ دور فلک آشنا ہو گیا

ملے وہ بڑھا اور شوق وصال
دوا سے مرض کچھ سوا ہو گیا

بچا اُن کے تیر نظر سے جو دل
گرفتار زلف دوتا ہو گیا

گریباں کی سدھ ہے نہ گھر کا خیال
جنوں سے میں بے دست و پا ہو گیا

دل پہ پڑا تو جگر پہ لگا
نشانہ ترا کب خطا ہو گیا

پڑا روز جب دے روشن نگاہ کس
ترا آئینہ پر جلا ہو گیا

مری آہ نے کچھ رسائی تو کی
وہ نا آشنا آشنا ہو گیا

بگاڑا کوئی کچھ سنوارا کوئی
یہہ اس طفل کو کھیل سا ہو گیا

نئے ظلم ایجاد ہوتے ہیں روز — یہہ اچھا انہیں مشغلا ہو گیا
تغافل کی حد ہو گئی دیکھئے — وہ سمجھے ہیں وعدہ وفا ہو گیا
ترے عشق میں جان آخر گئی — ستم کیش تیرا کہا ہو گیا
نہ پوچھ آہ یاد سے ظالم نہ پوچھ — کہ وہ کس ادا پر فدا ہو گیا

غزل

اچھا ہی اگر صبر و سکوں دل میں نہیں ہے — جو لطف سفر میں ہے وہ منزل میں نہیں ہے
مقتل میں تمنا مجھے کس شوق سے لائی — پر آج ہی خنجر کف قاتل میں نہیں ہے
کیا پوچھتے ہو میری تمنا کو مجھ سے — وہ کونسی حسرت جو مری دل میں نہیں ہے
رو دیتا ہے صیاد بھی سنکر مرے نالے — یہہ سحر بیانی تو عنادل میں نہیں ہے
میں کیوں کہوں عارض کو ترے چاند کا ٹکڑا — یہہ حسن یہہ ضو تو مہ کامل میں نہیں ہے
بے باک ہو رند و نکو برا کہتے ہیں زاہد — تمیز اسے کچھ حق و باطل میں نہیں ہے
اک دار کو سمجھ اور طلبگار رہیں زاہد — تو سمجھا ہے جان اپنی تن بسمل میں نہیں ہے
ترے خط و رخسار سے کیونکر ہو مقابل — یہہ نوک پلک تو مہ کامل میں نہیں ہے

چلتے ہوئے وہ تیغ نگہ دیکھی ہے ہم نے
ہے میان سے باہر کفِ قاتل میں نہیں ہے

وہ تیغ نہیں جو نہ اُتر جائے جگر تک
وہ زخم نہیں کام کا جو دل میں نہیں ہے

دل تشنۂ دیدار اور آغوش میں دریا
اس طرح کی تشنگی لب ساحل میں نہیں ہے

شرمندہ مجھے کرتا ہے کیوں نشترِ مژگاں
اک خون کا قطرہ بھی مرے دل میں نہیں ہے

ہاں کہنے سے تیری مجھے تسکین ہو کیونکر
چہرے سے عیاں صاف ہے جو دل میں نہیں ہے

یہ جہل پہ نادم ہے وہ ہے علم پہ نازاں
اک وصف ہے ناقص میں جو کامل میں نہیں ہے

اے دل نہیں تو گل کی طرح زخم رسیدہ
اب تیری جگہ دامنِ قاتل میں نہیں ہے

حیراں ہوں کہ ہے آپ میں وہ کونسی خوبی
جو بات کسی حور شمائل میں نہیں ہے

اے قیس ترے عشق نے رسوا کیا ایسا
لیلیٰ تری اب پردۂ محمل میں نہیں ہے

ناقدریِ عالم نے یہ ہے قدر گھٹائی
اب فرق ذرا ناقص و کامل میں نہیں ہے

پروانے ہیں بیتاب بہت دیکھنا یاور
جز شمع کوئی اور تو محفل میں نہیں ہے

غزل

پوچھیگا حال کون بھلا اس غریب کا
پھر ایک دل ملول کا آفت نصیب کا

خالی نہیں فراق ہمارے نصیب کا
ہے ساتھ انتظار کے دھڑکا رقیب کا

بیمار غم میں ضعف سے طاقت کہاں رہی
اب اُس سے اُٹھ سکیگا نہ احسان طبیب کا

آئیں نہ آئیں اُنکی خوشی کیوں گلہ رہے
کہدو کہ اُٹھ رہا ہے جنازہ غریب کا

دیکھا کہ ایک پھول میں بوے وفا نہیں
گلشن سے دل اُچاٹ ہوا عندلیب کا

وعدہ شکن کی ہائے وہ غفلت شعاریاں
مر جاوے انتظار میں حسرت نصیب کا

پایا نہ اُسکو ہے جو رگ جان سے متصل
غفلت بعید کرتی ہے رشتہ قریب کا

دیکھا ہے جب سے اُس گلِ رعنا کو باغ میں
نالوں میں رنگ اور ہوا عندلیب کا

مسجد میں آئے بیٹھے تھے رندان مے گسار
منبر پہ جاکے فق ہوا چہرہ خطیب کا

واعظ گرا تھا دیکھ کے ساغر کو منہ کے بل
سینہ کھیں مل گیا تھا سہارا جریب کا

یادر جہاں میں حضرت ضامن وہ فرد ہیں
روشن ہے جن سے نام جناب حبیب کا

غزل

پھر بہار آئی ہوئی گھر سے پریشانی مجھے
ابر کی ظلمت میں سوجھی خانہ ویرانی مجھے

کچھ دیر رہنے ہیں چمن میں مرغ بستانی مجھے
مانتے ہیں وہ کہ آتی ہے غزل خوانی مجھے

بندۂ پیرِ مغاں ہوں ہے یہ کہ سکھلاتا ہے وہ
شب کے پردہ میں لاکھوں انپچھانی مجھے

حشر میں چار آنکھ کیونکر ہو کفن ہی یاروں عشق
کر گئی ہنستی کش احباب عریانی مجھے

ظلم اسکا اور تیرہ تشنیع دیجائیگی لطف
سہل ہو جائیگی ای ناصح گرانجانی مجھے

نت نئی باتیں سناتے ہیں جو وہ استاد ہیں
دیتے ہیں ہر روز تعلیم زباں دانی مجھے

پوچھ لو اُن سے مری نالوں میں کیا تاثیر ہے
نغمہ سنجھ ہوئے ہیں مرغ بستانی مجھے

ہم قفس کا در کھلا آیا کرے فصلِ بہار
ہوگئی زنجیرِ پا میری پرافشانی مجھے

حشر تک تڑپا کیا زیرِ زمیں بھی ای فلک
گور ہے شاہد نہیں فرقِ تن آسانی مجھے

آپ تو جائیں سیرِ تفریح میں بیٹھا رہوں
بندہ پرور یوں نہیں منظور دربانی مجھے

بحرِ عصیاں کی تلاطم میں رہا ہوں عمر بھر
گر بچائے گی تو رحمت کی فراوانی مجھے

جو انگلیں دلمیں تقصیر خواب زلیخا ہوگئیں
مل گیا تقدیر سے وہ یوسفِ ثانی مجھے

جب چمک اُٹھی پرستاں آگیا پیشِ نظر
ہوگیا زخمِ جگر نقشِ سلیمانی مجھے

کھا کے قسمیں روز آنے کا دلاتی ہو یقیں
پھر کہو آتی نہیں جھوٹی قسم کھانی مجھے

سن لیجیگا جب تو وہ کیا کیا قیامت ڈھائینگی
اب بنا لیتی ہے اپنا انکی نادانی مجھے

حضرتِ ضامن کی گھر آتے ہیں اہلِ سخن
کھینچ لیجاتی ہے اسے یادِ سخن دانی مجھے

غزل

قطرۂ خوں اگر کوئی میری رگِ گلو میں تھا
وہ بھی تو بیقرار تھا تیغ کی جستجو میں تھا

تیغ پہ اسکی تھا جما جذب ہی لہو میں تھا
حشر کا روز آگیا اور وہ شست و شو میں تھا

انکا جو تھا کوئی گلہ ہائے نہ مجھ سے کیوں کیا
غیر سے شکوہ کیوں ہوا لطف تو وہ عدو میں تھا

غم نے کیا مجھے ہلاک دل بھی ہوا ہی جلکے خاک
ہوگیا قصہ آج پاک میں اسی آرزو میں تھا

غیر کو ساقیا دیے جام پہ جام خود پیے
جرعہ کوئی مرے لیے کیا نہ ترے سبو میں تھا

ہوتے ہی اس کا سامنا اشکو نہیں جزر و مد ہوا
ایک تلاطم آگیا جذب وہ ماسرو میں تھا

داغ جو معصیت کا تھا ساتھ ہی اسکو لیچلا
کوچ کا وقت آگیا اور میں شست و شو میں تھا

زاہد خشک و میکدہ! مانا کہ آب ہی پیا
کچھ تو اثر شراب کا جام میں تھا سبو میں تھا

دیر میں دل کسو دیا کعبہ میں شیخ کھو گیا
وقت گیا نماز کا دھیان کدھر وضو میں تھا

تجھ سے چھٹا نہ مہ لقا دل نہ مرا کہیں لگا
غیر کے آپ میں کہاں لطف جو تیری تو میں تھا

عمر تمام ہوگئی کشتیٔ عمر ڈوب گئی
کلفت رنج وہ گئی جس کی میں آرزو میں تھا

باتیں جو مجھکو کہنا تھیں انکی وہ دل میں رہ گئیں
محو بہت وہ نازنیں غیر کی گفتگو میں تھا

صاحبِ خلق گر مرا خلق میں نام تو رہا
آب بقا وہ بن گیا آب جو آبرو میں تھا

لحن میں یہ اثر کہ جا مردہ کیا جلا دیا | نغمۂ دل زبانہ تھا سحر تری گلو میں تھا

یاور خوش مذاق بھی تھا تو عجیب آدمی
عمر کٹی تو یوں کٹی دوست میں تھا عدو میں تھا

غزل

ارمان ورسی یوں اس دل کو دیکھتے ہیں | جس طرح آبلہ پا منزل کو دیکھتے ہیں

ابرو کو اس کے دیکھا اب دل کو دیکھتے ہیں | خنجر کو دیکھتے ہیں بسمل کو دیکھتے ہیں

مجنوں جو بدگمان ہے شیوہ یہ عشق کا ہے | اٹھ اٹھ کے کیوں بگولے محمل کو دیکھتے ہیں

دل پہلے ہی لیا ہے پہلو میں کیا دھرا ہے | اب کیوں پلٹ پلٹ کر بسمل کو دیکھتے ہیں

وہ غافل اور ناداں ہوتے ہیں کیا پشیماں | تخم بدی جو بو کر حاصل کو دیکھتے ہیں

ہو لاکھ بات اچھی دنیا نے قدر کب کی | کب قول پر نظر ہے قائل کو دیکھتے ہیں

شوخی بھی یا ادا ہی بچپن کا مقتضی ہے | سینہ پہ ہاتھ رکھکر وہ دل کو دیکھتے ہیں

دریائے غم سے نکلیں اس کی امید کب ہے | ہاں ڈوبتے اچھلتے ساحل کو دیکھتے ہیں

زخم جگر میں ٹانکے کیا چارہ ساز دینگے | تکلیف کیوں اٹھا کر گھائل کو دیکھتے ہیں

کیوں عرض مدعا پر بدلیں نہ ٹکے تیور | عزت سی کب جہاں میں سائل کو دیکھتے ہیں

ہوتی ہے کچھ تسلی اپنا سا حال پا کر
ہم تشنہ کام جا کر ساحل کو دیکھتے ہیں

دل طالب عطا ہے تیری نظر خطا ہے
چشم کرم سے ظالم سائل کو دیکھتے ہیں

حسرت نکال کے ہی چھوڑا جو نیم جاں ہے
کس یاس کی نظر سے قاتل کو دیکھتے ہیں

دنیا نے کس کو پوچھا ناقص پہ منحصر کیا
کب قدر و منزلت سے کامل کو دیکھتے ہیں

ہے سر فروش اکثر اب دیکھیے مقدر
ہم بھی تو آج یا ور قاتل کو دیکھتے ہیں

غزل

اب تو پیر شکو کی دریا جوش میں آئی ہوئے
دیکھئے کھلتے ہیں کب تک ابر غم چھائے ہوئے

میکدہ سے زاہد و واعظ نکلوائے ہوئے
آئے ہیں پھر جرعۂ می کا مزہ پائے ہوئے

بھوسے ہیں راہ خرابات اور لجائے ہوئے
شیخ صاحب ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

راز افشا ہو نہ جائے جل کا یہ فکر ہے
دیکھتے ہیں آئینہ وہ آج شرمائے ہوئے

اُس کے ملنے کی تمنا میرے دل میں رہ گئی
خواب میں بھی وہ اگر آئے تو شرمائے ہوئے

عید ہو جاتی ہے ہم کو جب بتاتے ہیں ہلال
عارض تاباں پہ گیسو ہیں بکھرائے ہوئے

سنگیں عاشق ناشاد کی دلیں اندھیں
آئے وہ تیغ کسی سینہ پہ دھرائے ہوئے

اے خدا روز جزا ہے شرم تیری ہاتھ ہے
ہم ترے دربار میں آئے ہیں بلوائے ہوئے

اُف ری شوخی اس گلِ رعنا کی میری قبر پر
پھول بھی لاکر چڑھائے ہیں تو مرجھائے ہوئے

پھیر نہ مچلے اس کی محفل کیلیے یہہ خوف ہے
لے تو آئے ہیں دلِ ناداں کو بہلائے ہوئے

فاتحہ پڑھکر ہوے اعجلب رخصت قبر سے
رہ گئے ہیں پھول کچھ تربت پہ کمھلائے ہوئے

کیوں خدا آئیگا وہ دن یہاں پڑھیں تیری نماز
ہو کوئی دامن بچھائے سر کو نہیوڑائے ہوئے

قبر کے محتاج شاہنشاہ گذری خلق سے
رہ گئے دنیا میں سب ایوان غنوائے ہوئے

کھینچ لایا حضرت واعظ کو ہم تک جذب عشق
محفل رنداں میں کب آئے ہیں بلوائے ہوئے

پیٹ پیچھے کیا شکایت منھہ پہ ایسی جھڑکی
اسقدر نالو سے میری تنگ ہمسائے ہوئے

خلق بھی چلتا ہوا جادو ہے شک اسمیں نہیں
ہمنے یہہ دیکھا کہ اغیار اپنے ہمسائے ہوئے

انکو مکروہات دنیا کی بھلا کیا فکر ہے
سو رہے ہیں قبر میں جو پاؤں پھیلائے ہوئے

طلبِ اُنکے دیکھیے بے اعتنائی کیجیے
کلبۂ احزاں سے گذری راہ کترائے ہوئے

بس گئے تھے اس گلِ خوبی کی خوشبو سے جو شب
چن لئے بستر سے ہم نے پھول کمھلائے ہوئے

چن کے افشاں بام پر اپنے کوئی آیا ہو
دیدۂ چرخ بریں ہے آج پتھرائے ہوئے

آہ ای یاور انھیں کیا قوم کا ہوگا خیال
اینٹھتے پھرتے ہیں جو دنیا میں اترائے ہوئے

غزل

دیکھ لو اک نظر او آنکھ چرانیوالے
نیچی نظریں کئے منہ چھپ کے جانیوالے

آفریں ہے تجھے او لاش پہ آنیوالے
جھوٹے وعدہ کا یقیں مجھکو دلانیوالے

سبزہ رنگوں پہ نہ جا اے دل ناداں ہشیار
وہ ہیں طوطے کی طرح آنکھ چرانیوالے

دوست وہ ہیں جو برے وقت میں کام آتے ہیں
نہیں غیروں کی طرح آنکھ چرانیوالے

سرد مہری سے ہوں گرم سخن وہ تو کیا
ناز و انداز تو ہیں دل کو لبھانیوالے

پوچھتے کیا ہو شب ہجر کٹی ہے کیونکر
وہم سو طرح کے آئے تھے ستانیوالے

سنگ اسود کی ہے صورت شب فرقت میری
ملک الموت نہیں گھر مرے آنیوالے

نظر لطف نہیں گر نہ سہی دیکھ تو لو
پس دیوار ہیں کچھ جان گنوانیوالے

سرو دیتی ہے جگہ سر پہ سدا قمری کو
یوں بٹھاتی ہیں مرجان بٹھانیوالے

حرف کیوں آنے لگا انکی مسیحائی پہ
ناصحا زخم جگر کب ہیں بھر آنیوالے

لحد عاشق مضطر دل پہ بنے حسرت یاس
لگ گئے دل میں جو ارمان بر آنیوالے

وعدہ ایفا نکریں وہ تو عجب کیا اسکا
شام تک صبح سے درس انکو سکھانیوالے

میں تو بیہوشی پہ ہشیاری کو قربان کروں
عنبریں زلف اگر ہم ہوں سنگھانیوالے

جان سی اُٹھا ہوا بیٹھا ہی اک دنیا بھی دیکھ
ظہیر بھی فضل سی خالق کی نہیں دست نگر
نقش ہیا خلق میں جو چھوڑ گئے ہیں اپنا

اری منہہ پھیر کے غیروں کو بلانیوالے
اپنی رفتار سی بچھڑوں کو بھلانیوالے
نام کب اُنکے حوادث ہیں مٹانیوالے

ان نئی روشنی والوں سے کہیں کیا باور
یاد کیوں آتے ہیں وہ اگلے زمانیوالے

غزل

تیری دیوانہ کی اشکوں کا یہہ عالم ہوگیا
آنکھ سے قطرہ جو ٹپکا آبِ زمزم ہوگیا

یہہ نہ سمجھے تھے کہ دلکی ساتھ ہی جائیگی جان
غم مقدر میں جو ہونا تھا وہ پیہم ہوگیا

دیدۂ موسیٰ کہاں اور جلوۂ جاناں کہاں
اک جھلک دیکھی کہ بس سکتہ کا عالم ہوگیا

اسکو شیریں سے رہا مجھکو لبِ شیریں سی عشق
مجھسے اور فرہاد سے یوں ربط باہم ہوگیا

تم نے کیں زلفیں پریشاں آئینہ کی سامنے
اور تمھاری چاہنے والوں میں ماتم ہوگیا

اے مسیحا اک فقط دلکی تسلی ہی نہیں
ہاتھ سینہ پر جو رکھا درد بھی کم ہوگیا

حشر کے دن آرزو نکلا جو لشکر ساتھ تھا
میری آہوں کا دھواں رایت کا پرچم ہوگیا

دیکھ اے قاتل نہ مجھکو نیم بسمل چھوڑنا
لوگ کہہ بیٹھینگے یہہ ظالم تو اظلم ہوگیا

مجھکو شکوہ ہی کہ دل اسکا ہی مائل غیر پر
اُسکو غصہ ہے کہ رازِ دل سی محرم ہوگیا

اپنے گھر بیٹھے ہر اک کی ہیچ سمت دیکھ لی
سیر اکشکول گدائی ساغرِ جم ہوگیا

میں تو زندہ ہوگیا مر کر چھٹے افکارِ دہر
زخمِ دل کیواسطے غم بڑھکے مرہم ہوگیا

شب کی خبر ہی دور رہا تھا اشکِ چشمِ عندلیب
عارضِ گل پر جو وقتِ صبح شبنم ہوگیا

انقلابِ دہر کا کیا اثر پیدا ہوا
جلسۂ احباب کیا بن بن کے برہم ہوگیا

لجۂ عصیاں کو دامن کی ہوا کر دیگی خشک
اک ذرا اشکِ ندامت سی اگر نم ہوگیا

تم بھی ای یاور بڑے ناعاقبت اندیش ہو
کیوں شکایت کی مزاجِ یار برہم ہوگیا

غزل

جانا وہ موںہہ پھیر کے تغافل شعار کا
آنا وہ ٹوٹ کر دلِ بے اختیار کا

پشتارہ لے چلا ہوں گناہوں کے بار کا
ہے آسرا تو رحمتِ پروردگار کا

نقشہ اُڑا لیا ہے جو تصویرِ یار کا
عالم کچھ اور ہی ہے دلِ بیقرار کا

آیا نہ فاتحہ کو کبھی سنگدل ادھر
پتھر گواہ ہے مرے لوحِ مزار کا

کیسی نجات مل گئی افکارِ دہر سے
اہلِ جنوں کو راس ہے موسم بہار کا

پانی برس برس کے دبا تا ہے خاک کو
لیکن علاج کچھ نہیں دل کے غبار کا

بیمار ہجر گنتا تھا گھڑیاں وہ آ گئے
وقت آ گیا خود اپنے نفس کے شمار کا

شرمندہ سلوک ہوں پاس وضع ہے
کیوں بیکسی نشاں بتلائے مزار کا

سوزش ہے بعد مرگ بھی سینہ کے داغ میں
بھڑکے کہیں چراغ نہ میرے مزار کا

بچھڑی ہوئی کی یاد دلانے سے فائدہ
قاصد نہ مجھ سے پوچھ پتہ کوئے یار کا

اے جذب دل نہ غیر کی جانب وہ رخ کریں
ناوک فگن کو شوق ہوا ہے شکار کا

عاشق ترے کبھی تو ہیں کعبہ کے طواف میں
میلہ منا رہے ہیں کبھی ہردوار کا

زانو سے آئینہ نہیں اٹھتا شب وصال
ظالم کو وقت خوب ملا ہے سنگھار کا

ساقی پلا کے غیر کو آیا ادھر تو کیا
مشکل ہے جوڑنا قدح بادہ خوار کا

منعم اکڑ رہے ہیں اور اتنی سمجھ نہیں
کیا اعتبار دولت ناپائدار کا

تار نفس سے آئی صدا الرحیل کی
ٹوٹا جو ساز زندگی مستعار کا

استادہ ہے جو سرو تو نرگس کشادہ چشم
دونوں پہ ایک سا ہے اثر انتظار کا

آدمی نہ خاک ہو کے بھی دنیا کے پیچ میں
مشکل ہے گردباد میں اٹھنا غبار کا

کس کشمکش میں عاشق آشفتہ حال ہے
وہ اختیار کے ہیں نہ دل اختیار کا

واقف ہے قبر ہم میں غلام ابو تراب
یا قدر ہمیں تو خوف نہیں کچھ فشار کا

غزل

اُسمیں گر عشق کا شعلہ نہ پرافشاں ہوتا
عالم افروز نہ خورشید درخشاں ہوتا

مجھ سا دنیا میں نہ کہہ بے سروساماں ہوتا
ایسا حیراں نہ ہوتا نہ پریشاں ہوتا

قطرۂ اشک ندامت کا بھلا کیا کہنا
یہہ اگر آنکھ سے گرتا دُرِ غلطاں ہوتا

اسقدر تو نہ اگر حسن پہ نازاں ہوتا
آئینہ بزم میں اسطرح نہ حیراں ہوتا

اپنے ماحول سے لیتا جو وہ عبرت کا سبق
اسطرح لائق لاحول نہ شیطان ہوتا

ظلم کا اپنے وہ اقرار نکرتا نہ کبھی
کاش وہ عہد شکن دل میں پشیماں ہوتا

دیکھتے ہم بھی کدھر جاتے ہیں محشر والے
پاس جنت کے کہیں کوچۂ جاناں ہوتا

تیرے دیوانوں کا ہوتا جو نہ دنیا میں وجود
نہ گلستاں کوئی ہوتا نہ بیاباں ہوتا

دل لیے اُس سے چلو رات گئی بات گئی
کاش اس دلمیں کوئی اور نہ ارماں ہوتا

دل مرا شوق میں خود بڑھ کے نشانہ بنتا
تیری چتون سے جو نکلا ہوا پیکاں ہوتا

شیخ جی آئے تو ہیں جبہ و دستار کے ساتھ
لطف تھا آج اگر مجمع رنداں ہوتا

ناوک اسکا نہ رہا قلب میں دانائی کی
دوستی دل سے جو کرتا تو پشیماں ہوتا

باریابی تری ہوتی تو مزا تھا زاہد
دل تو دل زہد ترا نذر حسیناں ہوتا

اہل جنت یہہ سمجھتے کہ ہی صبح محشر
تیرا عاشق جو وہاں چاک گریباں ہوتا

جانتا کوئی جو اس دہر کو آرام کی جا
بطن مادر سے جدا ہو کے نہ گریاں ہوتا

میری قسمت کی مساعد جو یہہ دنیا ہوتی
اک نیا میرے لئے عالم امکاں ہوتا

نظم کی قدر زمانہ میں دوبالا ہوتی
مثل غالب جو کوئی آج سخنداں ہوتا

بھیس میں آج فقیروں کے گیا تھا یاور
کاش یوں جود و الطاف فراواں ہوتا

غزل

حیرانیاں ہوئیں کہ پریشانیاں ہوئیں
جب آئیں میری گھر میں تو مہمانیاں ہوئیں

پہلے تو راہ عشق میں آسانیاں ہوئیں
آخر میں مشکلیں ہوئیں حیرانیاں ہوئیں

جامہ میں کب تھا آپ تھا سراپا کا ہو عکس
غصہ جب چکے تو پشیمانیاں ہوئیں

زنجیر اشک پڑ گئی پائے نگاہ میں
دست مژہ سے سلسلہ جنبانیاں ہوئیں

مائل ہو غیر پر یہہ گوارا نہ تھا انہیں
زلفوں میں میرے دل کی نگہبانیاں ہوئیں

مد مقابل اپنا جو دیکھا نہ تھا کبھی
آئینہ انکو دیکھ کے حیرانیاں ہوئیں

صورت نے انکو شہرۂ آفاق کر دیا
پردہ میں لاکھ نگہبانیاں ہوئیں

شکوں کا مینہ برسنے سی خالی ہوا نہ دل
تیغ و الم کی اور فراوانیاں ہوئیں

یوسف جمال تم سا زمانہ میں کب ہوا
ہرچند جنس حسن میں ارزانیاں ہوئیں

صحرا میں ہیں کبھی تو کبھی کوہ و دشت میں
کیا اس جنوں میں بے سروسامانیاں ہوئیں

محراب کعبہ کہتی ہیں اُن ابروؤں کو لوگ
تیغ نگہ سی سیکڑوں قربانیاں ہوئیں

مائل ہوا ہے سیر چمن پر وہ گلعذار
مقبول بلبلوں کی خوش الحانیاں ہوئیں

جو جی میں آیا کہہ لیا کل آپ نے ہمیں
اور آج آپ کی بھی ثنا خوانیاں ہوئیں

بے باک و شوخ ہو گئی کچھ آتے ہی شباب
گو بچپنے سے لاکھ نگہبانیاں ہوئیں

مقطع

اظہار عشق کر دیا دل جب پہ آگیا
یاور تمہاری دل سی یہہ نادانیاں ہوئیں

سہرا

دل اپنے نذر کر دیں دیکھ لیں گر مہ جبیں سہرا
بنا نوشاہ کی حسنِ حسن سی کیا حسیں سہرا

کجا تار شعاعی اور کجا یہہ پر نگیں سہرا
بڑھا کر آج نکلے شرق سے مہر مبیں سہرا

بنا آخر کو آویزہ مراد دل گوش نوشہ کا
ادھر تھی زلف دلکش اور ادھر تھا دلنشیں سہرا

کبھی چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا دنیا میں
بنا ہے مہر وش دولھا کا ایسا مہ جبیں سہرا

یہہ اس باغ جہاں میں آج کس گلرو نے باندھا ہے
نہیں پھولوں سماتی گوندھ کر مالن حسیں سہرا

محبت کا ہے مرکز آرسی مصحف کشش میں ہے
بنے کا دربا سہرا ابھی کا دلنشیں سہرا

ملائک مشتری ہوتے ہیں منہ سے پھول جھڑتے ہیں
جو گاتی ہے کوئی زہرہ شمائل نازنیں سہرا

سعادتمند بیٹے کو دعا ماں باپ دیتے تھے
وہ دن آئے کہ یہہ دولھا بنے باندھے یہیں سہرا

ہوا ہے سرنگوں پایا جو تجھکو آسماں رفعت
جھکا پڑتا ہے اے نوشاہ بالائے زمیں سہرا

کشش دلکی مجھے کہتی ہے دریائے تحیر میں
مگر کچھ ڈالا اوڑھا ہے بنے زلف عنبریں سہرا

ترا باغ جہاں میں آج یادر ہو گیا شہرہ
گل مضمون سے گوندھا خوب تو نے بالیقیں سہرا

غزل

حشر میں ساتھی عزیز و مہرباں کوئی نہیں
ہیں فقط اعمال وقت امتحاں کوئی نہیں

ساتھ اپنے سب لے گئیں پچھلا عہد شباب
میں ہوں اب اور غیر گرد کارواں کوئی نہیں

انکو دعویٰ ہے کہ انکا سا نہیں نازک کوئی
اور ہم ہیں مجھکو کہتے مجھسا ناتواں کوئی نہیں

چشم جاناں کی نقاہت کو کبھی ہر گز شکست
اس دلِ نازک سے بڑھکر ناتواں کوئی نہیں

بادۂ سرجوش نے پیدا کیے لاکھوں حباب
شیشۂ دل سے زیادہ ناتواں کوئی نہیں

ہو گئے دم ہو لب پہ تیرا نام اور بالین پہ تو
اور حسرت دل میں ہے جانِ جہاں کوئی نہیں

آنکھ میرے درمیاں ہے فیصلہ کیونکر بھلا
اس طرف ساری خدائی ہے یہاں کوئی نہیں

قیس اور فرہاد بیہودہ تھے خدا بخشے انہیں
اب مرا ہمداستاں اور ہمزباں کوئی نہیں

قبر میں ہم چین سے سوتے ہیں گردش سے چھٹے
تختۂ مشق اب ترا اے آسماں کوئی نہیں

ہو سرائے دہر میں کیا زندگی کا اعتبار
اس میں اس عزت سے پیر و جواں کوئی نہیں

فکر سے ہے کون خالی شاہ ہو یا ہو گدا
چار دن کی زندگی میں شادماں کوئی نہیں

کیا زن و فرزند سے انسان رکھے امید
اپنے مطلب کے ہیں سب آرامِ جاں کوئی نہیں

ہیں کبھی اسپند مجمر ہوں کبھی شمع لگن
مجھسا بزمِ یار میں آتش بجاں کوئی نہیں

غیر سے ملنا مری جاں ترک تم کرتی نہیں
پھر یہ کہتی ہو کہ تمسا بدگماں کوئی نہیں

مالِ دنیا پاس ہو تو جھک کے ملتا ہے ہر ایک
عالمِ عسرت میں یارِ مہرباں کوئی نہیں

غزل

چاہنے والوں میں یوں عالم رہے
جاں نثاروں میں تو اُنکے ہم رہے

تیغ قاتل میں نمک یا سم رہے
زخم دل میرا نہ بے مرہم رہے

نقش پا سایہ کا سب سمجھا کیے
یوں الگ دیوار انکی ہم رہے

درد و غم اپنے سدا ہمدم رہے
ان کے گرویدہ اسی سے ہم رہے

ملکے غیروں سے ہوئیں رُسوائیاں
آپ ہم پر بے سبب برہم رہے

سخت جانی ہم بھی دکھلا دینگے آج
تیغ قاتل میں اگر کچھ دم رہے

پڑ گئی کیا پاؤں میں زنجیر اشک
لخت دل جو آتے آتے تھم رہے

میں پیئے جاؤں دیے جا ساقیا
جب تلک ہونٹوں پہ میرے دم رہے

اور اک عالم کی ہو مجھکو تلاش
کلمہ گو تیرا اگر عالم رہے

دل کے بہلانے کو میرے دل کے ساتھ
حسرت و حرماں و درد و غم رہے

سب ہی یکساں قبر بیکس کے لیئے
دھوپ ہو یا چادر شبنم رہے

چل بسے کیسے جہاں سے نامور
کس کا ماتم اور کس کا غم رہے

شاخ گل ہے جلوہ گاہِ آفتاب
کہدو باہر باغ کے شبنم رہے

کیوں نہ منہ اشکوں سے دھوئے عندلیب — عارضِ گل پر اگر شبنم رہے
سبزہ روئیدہ پر سدا مرتے ہیں ہم — قبر پر بھی چادرِ شبنم رہے
چادرِ کمخواب مرقد پر نہ ہو — کیا حرج گر چادرِ شبنم رہے
ہو گئے مفقود اربابِ کمال — قدرداں دنیا میں جسدم گم رہے
ہے امید وصل یوں فرقت کیساتھ — جسطرح شادی غمی توام رہے
رہکے دنیا میں بڑے آلام اور — وہ بہت اچھے رہے جو کم رہے
مدح خواں ہم سا نہو گا خلق میں — قدرداں یوں آپ کا عالم رہے
ہے تقاضہ انقلابِ دہر کا — ہو کہیں شادی کہیں ماتم رہے
بیکسی پوچھو نہ ان اشکوں کی کچھ — نخلِ مژگاں تک جو آکر تھم رہے
آگئے کچھ کام میرے اشکِ غم — زخمِ دل کے واسطے مرہم رہے
کہدیا سب ہمنے اپنا رازِ دل — آپ کے وعدے مگر مبہم رہے
کب چھٹے برگشتگی بخت سے — سطمنؔ کب خلق میں اک دم رہے

چاہیے یاد رہے تجھے شرم گناہ
آنسوؤں سے آستیں پرنم رہے



غزل

بوئے گل بھی آ گئی تو پھر کے دیکھا سوئے دوست
بس گئی میری مشام جاں میں ایسی بوئے دوست

دل پہ تلواریں لگاتا ہے خم ابروئے دوست
کھینچتا ہے دار پر حسن قد دلجوئے دوست

روئے روشن کی تمناؤں کو کرتی ہے سیاہ
ہجر کی شب کو بڑھا دیتے ہیں پیچھے گیسوئے دوست

اب کوئی خوش چشم آنکھوں میں سماتا ہی نہیں
کھب گئی میری نظر میں نرگس جادوئے دوست

دل کے ٹکڑے ہی اڑ گئے اس کو پشیماں دیکھ کر
ہائے کیوں حسرت سے مرتے وقت دیکھا سوئے دوست

اسکو دن اچھے اسکی صبح اچھی صبح ہے
دیکھ کر اٹھے کوئی یا اٹھ کر دیکھے روئے دوست

ہیں اقارب دہر میں اخوان یوسف کی طرح
دوست ہیں دنیا میں لیکن ہمت بازوئے دوست

وقت آخر ہے تمناؤں کا ہے اب خاتمہ
یاس کو کیا منہ دکھاؤں گی رہی زانوئے دوست

جی بہلتا ہے کہیں گر دم نکلتا ہے کہیں
باغ رضواں میں نہ جاؤں چھوڑ کر میں کوئے دوست

پھول رکھتی ہیں قفس پر کیوں نہ ٹوٹے عندلیب
فائدہ کیا یوں اگر دل بھی گیا پہلوئے دوست

دہر میں یاور مخالف بھی ہیں حلقہ بگوش
چاہیے دشمن سے ملنے میں بھی نکلے خوئے دوست

برائے انجمن احبا و خاندان

بیاں کس سے مصیبت کیجئے اے ہمنشیں اپنی
ادھر ہے آسماں دشمن ادھر دشمن ہے یار اپنی

اگر زندہ ہی رہنا ہے مستعد مرنے پہ ہو جاؤ
اشارہ کر رہی ہے ہمت اٹھاؤ ورنہ ہیں اپنی

جھکے جاتے ہو کیوں اتنا دبے جاتے ہو کیوں اتنے
جھکاؤ غیر کے چوکھٹ پہ کیوں آخر جبیں اپنی

گرے ہو نظروں سے تو گرتے ہی جاؤ گے سنبھل جاؤ
گنوا دینا نہ عزت ہاتھ سے اپنی کہیں اپنی

فلک بھی ناموافق ہے ہوا بھی کچھ مخالف ہے
الٹ دیگا زمانہ اب الٹ لو آستیں اپنی

سنا ہے وہ نہیں سنتے سنائیں کس کو پھر جا کر
اگرچہ کان تک پہنچی نہیں آواز حزیں اپنی

تمنا ہے کہ اب کی فصل گل آئے تو یوں آئے
گریباں ہاتھ میں اغیار کا اور آستیں اپنی

اگر ہمت نہ ہارو گے قدم پیچھے نہ سرکے گا
بڑھے جاؤ سمجھ لو آسماں اپنا زمیں اپنی

دبائے جائینگے اغیار دیتے جاؤ گے جتنا
ذرا ہوشیار ہو جاؤ الٹ لو آستیں اپنی

ہوا کچھ ناموافق ہے تلاطم بڑھتا جاتا ہے
لگا ہے خوف ہو جائے نہ کشتی تہ نشیں اپنی

جو کہتا ہوں وہ سن لو یاد رکھو بھول جاؤ گے
بہت دشواریاں ڈالے گی ہاں انہی میں اپنی

زمین انجمن کو آسماں سے جا کے ٹکرا دو
کہ ہے اس سرزمیں کا آسماں اپنا زمیں اپنی

پرو لو ایک ہی رشتہ میں سب بکھرے ہوئے موتی
دکھاتی ہیں چمک اک سلک میں در ثمیں اپنی

عجب طوفان برپا ہے قیامت کا تلاطم ہے
ڈبو دینا نہ اپنے ہاتھ سے کشتی کہیں اپنی

اگر ہے اسکو برا کہتا ہے کوئی اسکو کہتا ہے
شکایت ہر زباں پر ہے کہیں انکی کہیں اپنی

نہ کچھ خوردوں کی سنتے ہو نہ کچھ مطلب بزرگوں سے
حدیث و آیہ کیا سمجھی ہوئی ہو آن ایں اپنی

اگر کچھ بھی ہوئی یہ دو تحریریں نہ ہر پا اثر پھیلا۔
قرار اپنی کوشش کی تو کمزوری عیاں ہوگی
اولوالعزمی سے اپنی منزل مقصود تک پہونچو
نہ پیچھے مڑ کر دیکھو سامنے اپنی نظر رکھو
خدا دیگا تمھیں ہر شے اگر لینے کی ہمت ہو
نہیں محبوب سے ہمت اُسکے دل سے شیدا ہیں
کیا ہے عزم گر تو پائے استقلال بھی رکھو
سفر ہے دور کا اور راہ میں لاکھوں جھمیلے ہیں
تم اُسکو چھوڑ بیٹھو کیا مناسب ہے یہی تم کو
یقیں جانو تمہاری یاد کا باعث وہی ہوگی
تمہارا نقش پا اک رہنما ہے آنے والوں کو
یوہیں اخلاق کے پرتو سے روشن انجمن کر دو
صدف سے انجمن ہوتی ہیں ہمسر دیکھ ہی لینا
اگر سیپ انجمن لوٹی تو ہوگا مضحکہ تم پر
غنیمت جان لو اِن بیٹھنے کو کیا خبر کل کی

سمجھ لو خار بن جائیگی پھر ہر گلشن زمیں اپنی
جو سب بیکل ہوئے بڑہ جائیگی قوت کہیں اپنی
سدا ہو گامزن لیکن نظر ہو دور بیں اپنی
قدم بڑہتے ہی جائیں جب الٹ لو آستیں اپنی
سمجھ لو خوب تم ہے آسماں اپنا زمیں اپنی
وہی ہے دلربا اپنی وہی ہے دل نشیں اپنی
ہنسی ہونے نہ پائے مہرباں دیکھو کہیں اپنی
نہ ہونے پائے منزل پہ پہنچنا کھوٹی کہیں اپنی
کہو انصاف سے کیا انجمن یہ ہے نہیں اپنی
نشانی چھوڑ جاؤگے جو وقت واپسیں اپنی
بہک جائیں نہ سیدھی راہ دیکھو ہمنشیں اپنی
شعاعیں ڈالتا ہے جسطرح مہر مبیں اپنی
چمک دکھلائیگی اک روز یہ در ثمیں اپنی
کریگی خلق میں رسوا نگاہِ شرمگیں اپنی
ذرا دل دیکے سن لو داد کہتے ہیں ہمنشیں اپنی

کلید کامیابی اتفاق باہمی سمجھو
تمھیں لازم یہی ہے بھول جاؤ آن و اپس اپنی

یہہ لازم ہے رہو تم ہم زباں ہم داستاں ہو کر
مناسب ہے کہیں رہنے دو وہاں اپنی نہیں اپنی

یقیں ہے پھر یہاں آجائینگی جو دور تم سے ہیں
پہونچ جائینگی کانوں تک جو آوازیں ہیں اپنی

تم استقلال کا دو جب بھی پاؤں نہ پیچھے ہٹو
ہے ایسا استقلال پاؤں اٹھائی کیوں حبیب اپنی

قومی نظم

قوم کے واسطے اگر مدرسہ ہم بنائینگے
بگڑے ہوئے ہمارے کام دیکھنا پھر بن آئینگے

کالج و درسگاہ جب ہمنے بنا لیا تو پھر
شوق بڑھا کے قوم کا علم و ہنر سکھائینگے

پہلے نجف کو جائینگے باب علوم ہے وہاں
خاک مزار بوتراب وہاں سے اٹھا کے لائینگے

خاک شفا لائینگے وہ بھی بہت قریب ہے
سرمہ چشم کو دکان لا کے اسے بنائینگے

جہل کا جائیگا مرض علم کا نور آئیگا
آنکھ پھر ان سے دیکھنا دیکھ کے سب ملائینگے

ملک کی فخر ہوئینگے یہہ قوم کے ہوئینگے رہنما
دین کی ہوئینگے پیشوا آنکھوں پہ ہم بٹھائینگے

ہو رہے گا جہل کا خوف رہے گا ہم کو کیا
ڈوبتی ناؤ قوم کی بھنور سے کھینچ لائینگے

علم سے ہونگی بہرہ ور قوم کی ہوئینگے راہبر
حادثہ زمانہ سے ہم کو یہہ خود بچائینگے

ہیئت و علم ہندسہ جر ثقیل و کیمیا — منطق فلسفہ ادب شوق سے ہم پڑھائینگے

فقہ حدیث علم دیں درس میں انکے آئے گا — السنہ علوم پر سکہ یہ خوب جمائینگے

حرب کا علم سیکھکر ضرب سے ہونگے باخبر — جہل کے بت کو توڑ کر آگے قدم بڑھائینگے

علم و ہنر کی نعمتیں جن پہ کہ ہم کو ناز تھا — کھوئی ہوئی وہ دولتیں ہاتھ میں اپنے لائینگے

علم اسے ہی ہر ایک شی جنگ ہو یا کہ صلح ہو — اسکو نہ سمجھے ہم اگر ملک کو ہم گنوائینگے

جر ثقیل و کیمیا ہوگا جب اپنا مشغلہ — آلۂ جنگ نت نئے شوق سے ہم بنائینگے

ریل ہو یا جہاز ہو توپ ہو یا تفنگ ہو — سب ہیں کرشمے علم کے آپ کو ہم دکھائینگے

علم سے ہوں جو بہرہ ور دشمن دیں ہو خیرہ سر — برق کی قوتوں سے ہم حشر جہاں میں ڈھائینگے

بڑھتی رہینگی قوتیں زور پہ ہونگی قدریں — ہاتھ لگینگی نعمتیں تاروں کو توڑ لائینگے

تاج کے ہم ہیں باوفا صدق سے ہم ملی و صفا — ملک کے واسطے سدا جان کو ہم لڑائینگے

علم سے ہی غرض کہ وہ جسکی ہے ہر جگہ نمود — آگے ہر ایک شی میں ہم اسکا لگاؤ پائینگے

گلشن دہر میں یہ باغ ہمنے لگا لیا اگر — پھول بھی اسمیں آئینگے پھل بھی ہم اسکا پائینگے

روح میں اس سے تازگی چشم میں اس سے روشنی — قلب کو ہوگی وہ خوشی پھولوں نہ ہم سمائینگے

باغ علوم کے چمن ہم کو دکھائینگے حسین — پھول بھی پھر چنینگے ہم لطف بھی ہم اٹھائینگے

سرور والیِ قوم جب سیکھ کے علم اور ادب — سعی کرینگے سب کے سب پھول نئے کھلائینگے

تازہ نہال بوستاں جانینگے بہر امتحاں	سیکھینگے علم اور زبان خاص شیہہ پائینگے

قطعۂ تاریخ فی البدیہہ بوفات جناب بی ال ودود احمد خاں صاحب النصاب مرحوم

جمعہ ماہ رجب چہاردہم	گشت آں بدر علم و فضل نہاں
سی و شش یکہزار و سہ صد بود	سنہ ہجری کہ رفت او ز جہاں
یک بہ یک رو نمود رجع القلب	کرد پرواز طیر روح رواں

کلک یاور نوشت سال وفات
در جناں شد ودود احمد خاں
سنہ ۱۳۳۶ھ

قطعۂ تاریخ

یہہ دیوان عزیز جہاں کا ہے یاور	گلا ہے یہہ ریاحین مضموں کا بستاں
نکات اس میں اکثر مواعظ کے دیکھے	بھرا کوٹ کر ہے کہیں رنگ عرفاں
تغزل میں ہے رمز عشق الٰہی	تعشق کا خوبی سے ہے رنگ پنہاں
ہر اک شعر ہے چست بندش میں اپنی	طبیعت نہیں سست مضموں کی جولاں

نشست اپنی موقع سے الفاظ کی ہے ... کہ لطف زباں سے زمانہ ہے حیراں

یہہ مصرعہ ہے تاریخ کا بے تکلف
ہے بے مثل دیوان یہ بے مثل دیواں
۱۳۳۶

دیگر

دیوان عزیز خوش بیان کا ... ہے طرۂ تارک فصاحت
یاور نے لکھا یہہ سنہ بہ تکرار ... دیوان عزیز کا ہے زینت

قطعہ

نام سلطان جہاں بیگم تھا شہ کی تھیں کنیز ... چل بسیں طاعون میں یہہ سیدہ عالی نژاد
تیرہ سو چھتیس ہجری کی غرہ ماہ ششم ... روز سہ شنبہ گذر کر دس بجے خوش اعتقاد
گئیں دنیا سی رحلت تین بچے چھوڑ کر ... اپنی ماں اور باپ کی تنہا یہی تھیں نامراد
والد ماجد ہیں مرحومہ کے سردار حسین بلا ... ہیں وکیل ہائیکورٹ اور سید والا نہاد
سنکے رضواں سی لکھا یاور نے یہہ سال وفات ... خلد میں ہیں کامراں اہلیۂ زین العباد

مسدس یادگار

ہیں فریدوں بیگ ہی دوست اک عالیمقام
گلشن احباب میں سرو سہی ہیں لا کلام
دم بھرا کرتی ہیں الفت کا انہیں کی خاص و عام
انکا مسکن قلب ہے جسمیں یہہ رہتی ہیں مدام
سنگکاری میں نظیر انکی نہیں یہہ ایک ہیں
راست باز و باوفا خوش خلق ہیں اور نیک ہیں

فن تعمیرات میں کیسے ہیں یہہ کیا ہو بیاں
دوستو انکے دلمیں مستحکم بناتی ہیں مکاں
ہوں حوادث لاکھ کیا کیسے اثر ہوگا وہاں
نیو میں پتھر کی جا پر مہر و الفت ہے جہاں
یاد انکی دلمیں دائم رہے گی دیکھنا
یہہ عمارت عمر بھر قائم رہے گی دیکھنا

کیا مقابل ہوگا دنیا میں کوئی انجینیر
دشمنوں کے دلمیں بھی اپنا بنا لیتی ہیں گھر
موم کردیتا ہے جو پتھر کا کوئی قلب و جگر
کوئی آفت دوست پر آئے تو ہیں سینہ سپر
دوستی کی ہیں دھنی دلدادۂ احباب ہیں
انکی الفت کے کرشمہ خلق میں کمیاب ہیں

انکے باعث سے گلبرگہ میں بہت سی ہیں بناں
سچ اگر پوچھو گلبرگہ کی ہیں یہی روح رواں

ٹینس اور بلیرڈ کی نذر ہیں ایسی بازیاں
کم برج کے کھیل میں انکے مقابل ہیں یہاں

رونق بزم احبا ان کو کہنا چاہیے
ہم مریضوں کا مسیحا ان کو کہنا چاہیے

انکی بدلی ہو گئی چھایا ہی دلپر ابر غم
جس نگر میں چھاؤنی چھائینگی باجاہ و حشم
چھوٹنا انکا ہماری واسطے تو ہی ستم
چار چاند اسمیں لگا دینگی فریدونکے قدم

چاہنے والے یقیں ہے اُس جگہ بھی پائینگے
پر جدائی کے الم میں یہ ہمیں تڑپائینگے

انکی فرقت کا تو چرچا آجکل یاروں میں ہے
ایک سناٹا سا ہم الفت کی میخواروں میں ہے
یاد میں محزوں بھی اک تازہ گرفتاروں میں ہے
ہو کا عالم اب تو میخانہ کی دیواروں میں ہے

اپنا ساقی جا رہا ہے اِک قیامت آئی ہے
ساغر و مینا پہ آفت کی ادا سی چھائی ہے

خیر بہتر ہے سدھارو کچھ ہمارا بس نہیں
ہجر میں تڑپا کرینگے سر کو پھوڑینگے نہیں
آسماں ہے دور اور ہے سخت تر اپنی زمیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

آرزو اپنی یہی ہے کامرانی میں رہو
لو خدا حافظ ہمیشہ شادمانی میں رہو

ہے یہی دنیا کا عالم یہ یاں عالی گہر
ہے یہی خوش قسمتی ہنس بولکر گذرے اگر

کاٹ دنیا میں چلے یہہ چار دن ہل مل کر
زندگی کیا موت کا کھٹکا ہی جب آنکھوں پہ ہو

طائر روح رواں اک جا نہ ایسی پائیں گے
اپنی اپنی بولیاں سب بولکر اُڑ جائیں گے

جناب داعی محمد ابوالحسن صاحب مہتمم تعلیمات ضلع میدک
بہ ترقی صدر مہتمی

سنگاریڈی سے چلے آپ تو دل ہی جیت
ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں نکالا طرز دیکھو
پئے گلگشت چلے آپ ہیں سوئے گلبرگہ
آپ جاتے ہیں ترقی پہ خوشی اسکی ہے
یاد آئینگے سدا آپکے اخلاق عمیم
نونہالان دکن فیض سے ہونگے سرسبز
دوست کا ذکر ہی کیا غیر بھی ہے حلقہ بگوش

کچھ اثر قلب پہ گہرا نظر آتا ہے مجھے
قطرۂ اشک بھی دریا نظر آتا ہے مجھے
گلشن آباد تو صحرا نظر آتا ہے مجھے
پر جدائی کا تو صدمہ نظر آتا ہے مجھے
آپ میں خلق سراپا نظر آتا ہے مجھے
زیر حکم آپ کے صوبہ نظر آتا ہے مجھے
خلق ایسا دریکتا نظر آتا ہے مجھے

جھمک کر ملی سی کبھی شان پہ گیتی ہے
کبر و نخوت میں ہے ہمت میں بڑھا جسکا دماغ

خلق خالق کا علیہ نظر آتا ہے مجھے
تو عزازیل کا نقشہ نظر آتا ہے مجھے

قدر دانی جو ہوئی دوست کی خوش نہال یا در
بار ور نخل تمنا نظر آتا ہے مجھے

مناجات برائے اہلیہ یاور بدرگاہ قاضی الحاجات

ای مرے مالک مرے معبود میرے کردگار
رنج و غم سے ہو گئی ہوں میں بہت سینہ فگار

کر دیا میرے مرض نے مجھکو از حد ناتواں
ضعف نے رہنے نہ دی میری طاقت ہو نہیں نار

اب تو اٹھنا بیٹھنا چلنا مجھے دشوار ہے
بے سہارے اٹھ سکوں ممکن نہیں یہ زینہار

دیدیا افسوس مجھکو میری قوت نے جواب
کر دیا افسوس مجھکو میری قوت نے بھی خوار

تھک گئی ساری اطبا ہو چکا میرا علاج
جا بجا پھر داری ہے گردش لیل و نہار

گو مقدر نے مرے مجبور مجھکو کر دیا
پر تری درگاہ سے ہر طرح ہوں امیدوار

بخش دی قوت بھلا چنگا مجھے کر ای خدا
تو دکھا دی اپنی قدرت ای مرے پروردگار

میری معصوموں پہ فرما رحم ای مالک مرے
پرورش انکی مری ہاتھوں سے فرما کردگار

یہہ عطیہ ہیں تری اور یہہ ودیعت ہیں تری
یہہ سمجھ سکتی نہیں ماں باپ کی کیا ہیں حقوق
لڑکیاں ہیں تین اور تینوں ہیں بالکل خردسال
اِک کنیز سیدہ شبیر کی ہے اک کنیز
دونوں لڑکے یوسف و شبیر میری نورِ عین
سہمی جاتی ہیں مری بچے ملالت سی مری
قالب بیجان میں تو نے جان ڈالی جسطرح
اس مرض کی کیا حقیقت ضعف کیا شئی ہے بھلا
ایک پل میں میری صحت عود کر آئے ابھی
تجھپہ تکیہ ہے مرا تجھپر بھروسہ ہے مرا
واسطہ دیتی ہوں میں تجھکو ترے محبوب کا
واسطہ ہی فاطمہ زہرا کا دی صحت مجھے
واسطہ ہی شبر و شبیر کا ای کبریا
پھر عابد پھر باقر پھر جعفر کا اور موسیٰ رضا
مہدی عالی ہمم کا واسطہ دیتی ہوں میں

مجھ کو دی انکی محبت جبسی دل ہی بیقرار
دوش پر میری ابھی انکے فرائض بیشمار
دونوں لڑکے بھی ہیں کمسن اور نہیں وہ پختہ کار
اک کنیز عابد مضطر بحال اضطرار
دل گرفتہ ہیں نہایت دیکھکر کھانسی بخار
رحم فرما ہوں تری رحمت کی میں امیدوار
تو اُسی صورت سی جاں بخشی مری کر کردگار
میری بیماری بھلا کیا چیز ہے پروردگار
ہو تری درگاہ سی مایوس کیوں امیدوار
دی شفائے عاجل و کامل مجھی پروردگار
پھر آل پاک احمد جنکی ہوں میں سوگوار
واسطہ تجھکو علیؑ مرتضیٰ کا کردگار
پھر وہ در کر مجھکو صحت سی کہ ہوں سینہ فگار
پھر تقی بعد از نقی پھر عسکری با وقار
مومنیں کی آج تک جو ہیں بلاشک شہریار

اے خدا یہہ سب وسیلہ ہیں مری کچھ پیشکش
انکا دامن ہاتھ میں ہے تجھ سے ہوں امیدوار

تو رحیم اور تیری رحمت کا ٹھکانا ہی نہیں
تو حکیم اور تیری حکمت میں نہیں شک نیہا

دے طبیعت کو مری دفع مرض کی قوتیں
یہہ مرض جائے تری قدرت سے ہو کر شرمسار

اب کرم فرما مجھے کر جلد تر صحت عطا
یاوری کر جلد اب اے یاور ذی اختیار

سلام

گہر ریزہ گہر افشاں تجھے اے چشم تر جانا
سب صاحب آنسوؤں کا تار اشک منتظم گہر جانا

غضب تھا کربلا سے شام تک تفتہ جگر
کسی کا پا برہنہ اور کسی کا ننگے سر جانا

گیا جب کوچ دنیا سے تمہیں کو راہبر جانا
محبت کو تمہاری یا علیؑ زاد سفر جانا

حوادث کو تلاطم چرخ گرداں کو بھنور جانا
جہاں کو بہنے سیلاب فنا کا رہگذر جانا

جناں کو زاہد اور عشق الٰہی کا ثمر جانا
کہیں گے ہم تو یہہ کچھ بھی نہ تو نے بے خبر جانا

محرم کا یہہ نو دیکھکر ہوتا ہے دل ٹکڑے
اسی نشتر نے سیکھا ہے کلیجہ میں اتر جانا

خبر دیتا ہے رت بدلی عزا کا آگیا موسم
ہرا ہوتا یہہ زخموں کا یہہ داغوں کا ابھر جانا

غم شبیر نے دل پر کیا ہے وار خنجر کا
کبھی وہ زخم سے آسان نہیں ہے جس کا بھر جانا

یتیموں بیکسوں کی لی خبر تو نے نہ اے منعم
خدا کے سامنے ہے ایکدن اے بے خبر جانا

ادھر دل تھام لینا بانوے ناشاد کا رو کر
ہمک کر گود میں حضرت کی اصغر کا ادھر جانا

پریشانی نے کچھ ٹہلکر حرم کی پردہ داری کی
کہ پردہ ہو گیا بالوں کا چہرے پر بکھر جانا

بلا کر دیکھنا اصغر کو خود صغرےٰ نے فرمایا
میری عرضی جو شہ کے پاس لیکر نامہ بر جانا

نجف کی ساکنوں پر رشک ہے خضر و مسیحا کو
اسی کوچہ میں گر جانا اسی کوچہ میں مر جانا

مجاہد کربلا کے جان نثاری کو رہے حاضر
ہمیشہ اپنے سینہ کو شہ دیں کی سپر جانا

وہ پیری ہاے اور جوش وغا ابن مظاہر کا
جوانوں سے بھی کچھ آگے وہ سوے فوج شر جانا

الٹتی تھی صفیں ہر اک وار تیغ دو پیکر کی
وہ دم لیکر چمک جانا لہو پیکر نکھر جانا

زمانہ کروٹیں لے ہم نہ اٹھیں ہیں نہ اٹھینگے
کہ ہم ڈوبے ہوے تو بھولجاتے ہیں ابھر جانا

بھٹکنے کا بھلا پھر خوف کیا ہو یا علی ہم کو
تمہیں کو رہنما سمجھے تمہیں کو راہبر جانا

کبھی عون و محمد کو نہ دیکھا ان نگاہوں نے
علی اکبر کو زینب نے سدا نور نظر جانا

نہ دیکھا پھولتے پھلتے کبھی سرو گلستاں کو
اسی سے راست بازی کو نہال بے ثمر جانا

قدم خوابیدہ ہیں اغیار سد رہ مگر ہمت
یہہ کہتی ہے کہ آئے ہو تو کچھ دنیا میں کر جانا

کہاں کا عشق صادق لی خدا کا نام اے اہد
کہ الفت کا کرشمہ تو نے کب اے بے خبر جانا

شہیداں خنجاد ارفتہ عشق الہی تھے
حیات جاوداں سمجھے وہ اس کوچہ میں مرجانا

بنے اخوان یوسف ہاتھ دھو کر پڑ گئے پیچھے
نبی آدم نے جس کو صاحب علم و ہنر جانا

خبر دی قتل شہ کی حال صغریٰ نے مدینہ میں
یتیمی رخ پہ چھاجانا وہ چہرے کا اتر جانا

دم رخصت کہا بانو سے برسوں کی تمنا ہے
تمہیں دولہا بنالوں اے علی اکبر ٹھہر جانا

کہا حضرت نے اصغر کیلیے ایک جام بھر رکھنا
لب کوثر علی اکبر جو ہمسے پیشتر جانا

[illegible] لینا گنہ کر کے چھپاتا ہے تو دنیا تک
خدا کے سامنے تم بھول جاؤ گے مکر جانا

یقین جانو کہ پھر عقبیٰ میں ہے تیر از کمان رفتہ
تمہارے ہاتھ ہے دنیا میں سو کے خیر و شر جانا

بسی ہے کربلا ساری گل زہرا کی خوشبو سے
سمجھکر باغ جنت سے ادھر یا ادھر جانا

مدینہ یا نجف یا کربلا اپنا ٹھکانا ہے
پسند آیا نہ مجھکو اور جانب بھول کر جانا

علی اکبر کے غم میں چل گئی ہے دل پہ ایک چھری
یہ گہرا گھاؤ ہے ممکن نہیں اب اسکا بھر جانا

بھلا یا آور یہاں آئیگا اے کوثر کے متوالو
نجف کا رند ہے ہرگز نہ اسکی بات پر جانا

وتمت بالخیر

قطعۂ تاریخ

عالیجناب نواب فصاحت جنگ بہادر المتخلص بہ جلیل مدظلہ العالی

وہ پُر ضیا کلام چھپا جسکے سامنے
انجم ہیں بے فروغ - مہ و مہر مات ہیں

شیرینیِ زبان کا مزہ کچھ نہ پوچھیے
الفاظ ہیں کہ کوزۂ قند و نبات ہیں

آتا ہے وجد معنیِ رنگیں کو دیکھکر
کیا کیا تخیلات ہیں کیا کیا نکات ہیں

کیا خوبیاں بیان ہوں کہ اک ایک نظم میں
اوصاف سیکڑوں ہیں ہزاروں صفات ہیں

ہے لاجواب مصرعِ تاریخ بھی جلیل
یاور کے شعر موجۂ آب حیات ہیں

۱۳۴۴ ھ

قطعۂ تاریخ

از عالیجناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ

اے خوشا حسنِ کلام یاور
اے زہے نظم دلآویز جہاں

وہ فصاحت کہ فصاحت صدقے
وہ بلاغت کہ بلاغت قرباں

قدر اربابِ نظر کے قابل	مدحِ اصحابِ سخن کے شایاں
خوش بیانی ہے کہ پھولا ہے چمن	تر زبانی ہے کہ دریا ہے رواں

خوب ہے طبع کی تاریخ عزیز
سخنِ دلکش مقبولِ زماں
۴۶ ھ ۱۳

قطعۂ تاریخ

مجموعۂ فارسی (جذبات یاور) عالیجناب نواب ضیغم جنگ بہادر جاگیردار
شاگرد جناب میر انیس مرحوم و جناب میر انس مرحوم

چہ مرزا محمد بہادر سخنور	بفرمود تالیف جذباتِ یاور
کلامِ دل آویز و دل شاد و دلکش	ز حسنش سخندانِ عالم مسخر
فصیح و بلیغ و سخنگوئے یکتا	محب و ثنا خوانِ آل پیمبرؐ
چہ خوش ناظم عدل و دادِ عدالت	عقیل و جلیل و غیور و مدبّر
بہ لب حمد معبود و صنّاعِ عالم	بدل الفت احمدؐ و حبِّ حیدرؑ

فراہم چو گردید نظم ال آرا ز طبع خوش انداز پوشید زیور

پی سالِ او فکر چوں کرد ضیغم
سنِ طبع شد - پاک جذبات یاور
۱۳ ھ ۴۶

ایضاً

قطعہ تاریخ اردو

جناب مرزا محمد بہادر یاور
عقیل و ذی شرف و ذی وقار و ذی توقیر
جلیل و ناظم شاہی عدالت اضلاع
کلام نظم کیا جمع طبع فرمایا

مطیع سید لولاک و عاشق داور
محب حیدر و مداح آل پیغمبر
کہ جنکی معدلت و داد مثل شمس اظہر
کہ جس کا نام ہے جذبات جذبہ یاور

جو سال طبع کی ضیغم نے فکر کی ناگاہ
کہا سروش نے نظم نکو بیاں یاور
۱۳ ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ

جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب اعجاز
رضوی لکھنوی ارشد تلامذہ حضرت مشتاق مرحوم لکھنوی

ہے یہ دیوان جلی بدر سپہر شاعری
کیوں نہ روشن ہو مصنف کا زمانہ پر کمال

نجم ثاقب اور اک پایا سپہرِ نظم نے
آ گیا جنبش میں فرطِ وجد سے قطبِ شمال

اور اک گوہر فزوں درجِ سخن میں ہو گیا
شاہدِ نازک خیالی کیوں نہ ہو پھر مالا مال

نقشِ ثانی کا ہے بانی میرا ممدوحِ عزیز
نقشِ اول کے تھے موجد سعدیٔ ملا جلال

گیسوئے محبوب کی نظمِ مسلسل میں ہے شان
شعر پاشاں سے نمایاں عاشقِ مضطر کا حال

کیا عجب ہے لب بندھے جاتے ہیں گر وقتِ ثنا
ہے یہی شانِ بیاں شاعرِ شیریں مقال

طرزِ غالب ہے کہیں انداز آتش ہے کہیں
رنگ کچھ دہلی کا ہے کچھ لکھنؤ کی بول چال

نعت و مدحت سے کیا ظاہر میں آغازِ کلام
ہے جدید انداز سے ضمناً سپاس ذو الجلال

فکرِ عالی نردبانِ بامِ حقیقت ہو گئی
یہ مجازی طرز عرفانِ حقیقی پر ہے دال

وہ زباں کیوں تر نہ ہو ساقیِ کوثر جسے
جس کی ہر جنبش ہو موجِ چشمۂ آبِ زلال

ہر طرف آیا نظر اک منظر فرح و سرور / دیکھا جب اعجاز کی آنکھوں نے یہ سحر حلال

اے تعالی اللہ عجب یہ نظم عظیم ہے نعم النشاں / اب برائے نام بھی دل میں نہیں رنج و ملال

انزجار طبع سے حاصل ہوا مجھکو فراغ / ہے مبارک مجھکو یہ منظومۂ فرخندہ فال

اب سِنِ طبع میں کچھ فکر کرنی چاہیے / خامہ فرسائی عبث ہے گر نہ ہو حاصل مآل

پیکر منظوم میں بالیدگی پیدا ہوئی

روح افزا ہے کلام یاور نازک خیال

۱۳۴۶ھ

قطعۂ تاریخ

مصنفہ جناب سید سرفراز حسین صاحب خبیر رضوی لکھنوی

صورت آئینہ یہ نظم لطیف / صاف و شفاف و نور پیکر ہے

آج موجود ہوتے گر عباس / کہتے تقریظ موج کوثر ہے

خاص عنوان سے بطرز جدید / حمد و نعت و ثنائے حیدر ہے

ہے خبیر اپنے واسطے واللہ / مایۂ فخر ذات یاور ہے

شاعری میں یہ ذی شرف ممدوح
نہیں منت پذیر غیر کبھی
کیوں نہ تاریخ طبع لکھے خبیرؔ

یادگار جناب خاور ہے
یہ غرض کب ہے عین جوہر ہے
نغز گوئی کی طبع خوگر ہے

کیا فصاحت ہے کہہ اٹھا انصاف
صاف گو یاور سخنور ہے
۱۳ ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ

مصنفہ جناب مولوی سید واجد حسین صاحب مطیر رضوی لکھنوی

ہر طرف نقارہ شہرت کا بجا
دعوی شیوہ بیانی کیوں نہو
ہے جوان ممدوح کا علم و کمال
فخر و نازش کیوں نہو مجھکو مطیرؔ
مصرع تاریخ یہ میں نے لکھا

جب چھپی یاور کی نظم لاجواب
شاعروں میں ہے یہ فرد انتخاب
کیوں زمانہ میں نہو رشک شباب
ذی شرف ہیں میرے عم مستطاب
خوش بیاں ہیں یاور والا جناب
۱۳ ھ ۴۶

از جناب مولوی میر ثابت علیصاحب المتخلص ثابت رسالدار میجر ممالک محروسہ سرکار عالی

محمد بہادر کا دیوان ہے
کہوں کیا مضامین کی جو شان ہے

بیان اور یہہ قول اکثر کا ہے
یہ مجموعہ جذبات یاور کا ہے

بہت قابل مدح ہے انتخاب
یہ اشعار ہیں آپ اپنا جواب

زبان روزمرہ میں ڈوبی ہوئی
تو دونی سخن میں یہ خوبی ہوئی

ہر اک عیب سے پاک ہے صاف ہے
یہ تعریف از روئے انصاف ہے

وہ بندش کی خوبی وہ الفاظ چست
کہیں بھی نہیں اسمیں مضمون سست

وہ الفاظ موقع سے ہیں جابجا
جہاں جسکی جا تھی وہیں پر رکھا

بہت ایسے مضمون اچھوتے کہے
بجا ہے کہوں میں جو اُن کو نئے

نہ ایطا ہے انہیں خفی وجلی
مبرا وہ حشو وزوائد سے بھی

وہ غزلیں ہیں دلکش وہ رنگیں سخن
پھڑک جائیں سنکر جسے اہل فن

ہر اک شعر خوبی میں اپنا جواب
فصاحت بلاغت میں ہے لاجواب

کسی باغ عالم کے بوٹے نہیں
اچھوتے ہیں مضمون جھوٹے نہیں

بہت شعر نکلے ہیں بیساختہ
نہ وہ ساختہ ہیں نہ پرداختہ

یہاں بھی رہا عدل کا انتظام
جگہ جسکی جو تھی دیا وہ مقام

خداداد ہے یہہ طبیعت یہہ رنگ
یہہ آئینہ وہ ہے نہیں جس مین زنگ

پڑھے شوق سی اسکو ہر شیخ و شاب
یہ گلدستہ یاور کا ہے انتخاب

بدل کر مین اب بحر کہتا ہوں سال
حقیقت میں ثابت جو ہے بیمثال

تاریخ

دیکھہ کر کہتے ہیں یہ اہل فن
نظم یاور کی ہے پسند طبع

ہر الہام سے ہے ثابت سال
ہوئی اب نظم پاک نادر طبع

قطعۂ تاریخ

ازجناب مولوی محمد انور علیصاحب انور۔ اہلکار عدالت ضلع پربھنی

فلک نظم پہ اک اور ستارہ چمکا
ہو گیا جس سے خجل چرخ پہ مہر انور

جسکی ہر نظم سے ہے نظم خجلت وہ نظم پروین
جسکا ہر شعر ہے دریائے فصاحت کا گہر

ہر رباعی ہے خیابانِ چمن کے مانند
بندشیں چست ہیں تخئیل کا اسلوب لطیف
اللہ اللہ ہے کیسی کشش حسن کلام
دلکشی ایسی کسی میں نہیں دیکھی ہم نے

قطعہ ہر ایک گلستاں کی روش سے خوشتر
صاف و شستہ ہے زباں جیسے زلالِ کوثر
جسکے انداز پہ گرویدہ ہیں اربابِ نظر
کوئی معشوق ہے یا ہے جذباتِ باور

سالِ تاریخ کی ہے فکر جو انور تمکو
لکھدو بے مثل ہے پختہ ہے کلامِ باور
۲۷ ۱۹ ۶

قطعۂ تاریخ

چکیدۂ قلم بلاغت رقم جناب مولوی محمد عبدالرحمن صاحب منعبد کمیل ضلع پربھنی

بہ صنعت نادر

عدالت کا ہی ناظم پربھنی کا نیکدل حاکم
چھپا ہے اسکا دیوان جسکا ایک عالم کو تھا ارماں
زہے جذبات باور جسکا ہر شعر نشتر ہے
کلامِ ندرت آگیں کا سن تاریخ لکھتا ہوں

مراد افزا بہار خلق میں یہی خلق انساں ہے
مضامین شگفتہ ہیں جو اک گلزار خنداں ہے
نشاطِ روح کا جسکے ہر اک مصرع میں ساماں ہے
میری تاریخ میں بھی صنعتِ نادر نمایاں ہے

سفید اس طبع کی تاریخ میں ہے صنعت نادر[۱]
سنا دیکھ سِنِ فصلی ۔ چھپا یاور کا دیوان ہے
۴۷ ۱۳ ف

[۱] حرف کے اعداد لفظ میں لکھکر اُسکے اعداد ہندسہ میں لکھیں مثلاً حرف (ج) کے اعداد (تین) ہیں پھر اُسکے اعداد (۴۶۰) ہوتے ہیں اسیطرح شمار کرتے جائیں۔

قطعۂ تاریخ

ریختۂ کلک معجز سلک جناب مولوی حاجی سید اعظم اللہ حسینی صاحب [illegible] اطہر تخلص
وکیل عدالت ضلع بھستی

یاور خوش فکر کے احباب کی تھی آرزو
جلد تر مجموعہ ان اشعار کا یارب چھپے

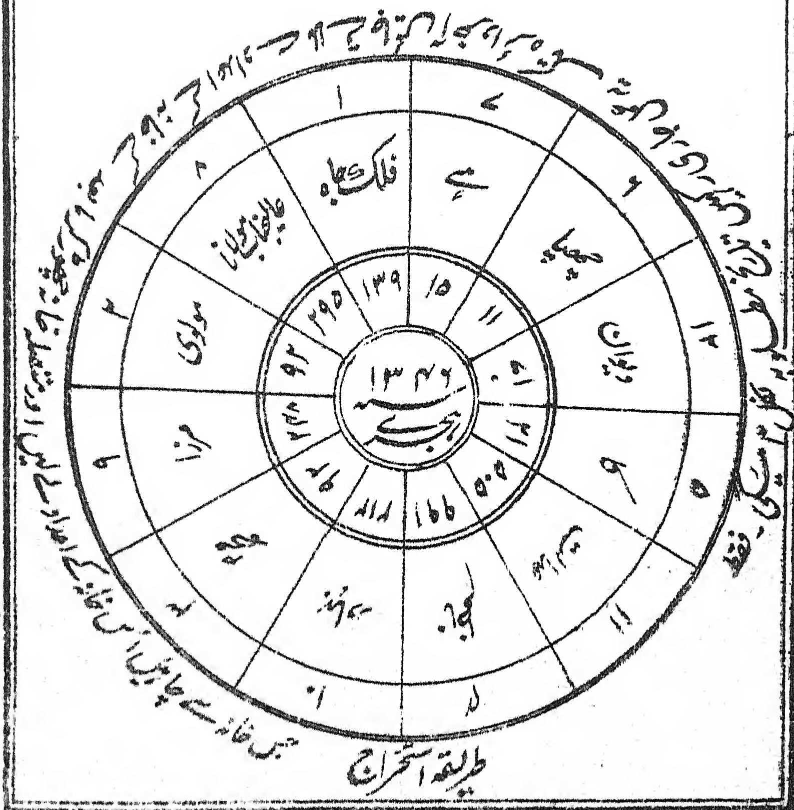
فضلِ حق سے آگیا وقت اور دیوان چھپگیا
سال اطہر نے کہا ۔ جذبات یاور اب چھپے
۴۶ ۱۳ ھ

ایضاً

لایقِ تحسین ہے یاور کی نظمِ دُرفشاں	کیوں نہو مطبوعِ دل مقبولِ طبعِ اہلِ فن
تین تاریخیں کہیں اطہر نے اسکے طبع کی	نظمِ رونق ـ نظمِ شادان ـ اور ـ دُرافشانِ سخن
	۱۳۴۶ھ ۱۳۴۶ھ ۱۳۴۶ھ

ایضاً

در صنعت مدوّر



طریقہ استخراج

قطعہ تاریخ

شاعر نازک خیال مولوی محمد عبدالرحیم صاحب ہوٗلی المتخلص سیفیؔ
وکیل ضلع پربھنی

عدالت کے ناظم کا دیوان چھپا	جو ہے شاعری میں عدیم المثال
ہوئی فکر سیفیؔ کو تاریخ کی	ملا ـ پاک جذباتِ یاآور ہیں سال
	۱۳۴۶ھ

